www.zemtime.com

سالگرہ نمبر

آسیہ رئیس خان

# دشتِ الجھن کا ستارہ

"تم جاؤ۔" نسرین نے معاذ کو دوسرے شانے پر منتقل کرتے ہوئے شیروانی میں ملبوس دولہے یعنی معاذ کے باپ سے کہا۔ "چپ ہو جائے گا کچھ دیر میں۔"

"ارے، تم کیوں کھڑے ہو ابھی تک۔۔۔۔" دادو حیران سی پلٹیں۔ انہیں لگا تھا وہ چلا گیا ہے۔ معاذ عموماً ایسے روتا نہیں تھا اس لیے اس کے مسلسل رونے پر وہ سب ہی پریشان تھے۔ سب نے اپنے طریقے

سے کوشش کرلی تھی لیکن اس کا رونا بند نہیں ہو رہا تھا۔
"پیٹ میں درد تو نہیں ہو رہا؟"
"دوائی دے تو دی ہے۔" سمیہ نے کہا۔
"نظر لگ گئی ہے میرے شہزادے کو۔"
نسرین نے اسے پچکارتے ہوئے اتنی دیر میں پانچویں بار وہی بات کہی۔
"ڈاکٹر کے پاس لے چلیں؟" اسے ان قیاس آرائیوں پر بھروسا نہیں تھا۔
"بھائی، آپ فکر نہ کریں، وہ تھک گیا ہے کچھ دیر میں سو جائے گا۔" رقیہ نے ماں کے پاس سے اسے اپنی گود میں لیتے ہوئے کہا۔
"ارے، تم کیوں ادھر آ گئیں؟" زید کے پیچھے دروازہ دیکھتے ہوئے نسرین نے کہا تو وہ پلٹا۔ دلہن یعنی ہال میں آ چکی تھی۔
"اس کے کپڑے تبدیل کریں رقیہ آپی۔"
اس نے ان کے قریب آ کر کہا۔ وہ ابھی اچنبھے سے اسے دیکھ ہی رہی تھیں کہ شاد ماں نے ان کی گود سے معاذ کو لیا اور صوفے پر لٹا کر اس کی زرق برق شیروانی اور پاجامہ اتار دیا۔ معاذ کی آواز دھیمی ہونے لگی۔ اسے چپ کرانے کی سعی میں گود سے گود منتقل کرنے والوں کے لباس بھی زری، گوٹے، موتی، نگینے اور جانے جانے کس کس الا بلا سے لیس تھے۔
"وہ اس وقت سے ان کپڑوں میں بے آرام تھا۔" شاد ماں نے نسرین کو دیکھتے ہوئے کہا۔
یہ درست تھا کہ ساری تقریب میں اس کا مزاج چڑچڑا سا تھا اور سب اس کی وجہ ہجوم اور شور سمجھ

مکمل ناول

www.zemtime.com

کراسے بہلا رہے تھے۔

"یہاں ریشیز بھی ہوگئے ہیں۔" اس نے اس کے شانے اور کمر کی سرخی کی طرف اشارہ کیا۔

"لو اور تم سب کی سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا۔" دادو نے خوش دلی سے کہا۔

"شکر ہے تم نے صحیح اندازہ لگایا۔" نسرین نے معاذ کو اٹھاتے ہوئے شکر گزار لہجے میں کہا۔

"میں اسے لوشن لگاتی ہوں۔"

"تم دونوں جاؤ بیٹا، اب معاذ آرام سے سو جائے گا۔" الیاس عالم نے کہا۔ وہ سمیہ یا نسرین کے پاس ہی سوتا تھا۔

"جی۔" سب کی نظریں ان دونوں پر تھیں۔ معاذ کی آواز بند ہوگئی تھی۔

زید اپنے کمرے کی سمت بڑھا۔ شاداں نے بھی اس کی تقلید کی۔ وہ پہلے کمرے میں داخل ہوا اور دروازے کے قریب ہی ایک طرف کھڑے ہوکر دربان کی طرح اسے اندر آنے کی جگہ دی۔

کچھ دیر پہلے رقیہ اور سمیہ بڑے اہتمام سے اسے پلنگ پر بٹھا کر گئی تھیں۔ دروازہ کھلا تھا جہاں سے معاذ کی مسلسل رونے کی آواز آرہی تھی۔ رخصتی کے دوران پھر کار میں اور یہاں ہال سے کمرے میں پہنچائے جانے تک اس نے معاذ کی بے آرامی محسوس کی تھی۔ چوں کہ نئی دلہن تھی وہ بھی طلاق یافتہ اور دوسری بیوی تو اس کے سر پر پند و نصائح کی بڑی بھاری گٹھڑی تھی سو سارا وقت خاموش تھی۔ لیکن جب بہت دیر بعد بھی معاذ کے رونا بند ہوا نہ اس میں کمی آئی تو اس سے صبر نہیں ہوا۔ وہ اٹھ کر باہر چلی گئی تھی اور اس کے اندازے کے عین مطابق کسی نے اس کے کپڑے تبدیل نہیں کیے تھے۔

اب اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کیا کرے، پھر اسی وضع میں پلنگ پر جا کر بیٹھ جائے یا یونہی کھڑی رہے یا پہلے اس طرح کمرے سے باہر جانے پر اس سے معافی مانگے۔ وہ پرسوچ سی کمرے کے وسط میں آکر ٹھہر گئی۔

"بیٹھ جاؤ۔" دروازہ بند کر کے کچھ دیر اس کے وہاں سے ہلنے یا آگے بڑھنے کا انتظار کرنے کے بعد زید نے کہا۔ وہ چونک کر اپنے خیالوں سے باہر آئی۔

"سوری! میں اس طرح باہر چلی آئی۔" وہ دھیرے سے پلٹی اور آہستہ سے کہا۔

اسے خوب سارے سبق رٹا کر بھیجا گیا تھا کچھ وہ بھی محتاط تھی۔ زید اس سے سوری کی توقع نہیں کر رہا تھا۔ اس نے ذرا حیرانی سے اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر موقعے اور دستور کی مناسبت سے حیا کی سرخی تھی نہ آنے والے کیف آگیں لمحوں کے لیے کوئی لطیف سا تاثر تھا۔ عروسی سنگار کے ساتھ اس کے حسین چہرے پر سنجیدگی بکھری تھی۔ زید کا رومانی مزاج ایک بار پھر بسورنے ہی لگا تھا کہ اس نے اسے پچکار کر حوصلہ دیا۔

"اب یہ تمہارا گھر ہے اور اپنے گھر میں مرضی سے آنے جانے پر سوری کرتے کسی کو پہلی بار دیکھا۔" وہ مسکراتے ہوئے قریب آیا۔

اب توقع کے برعکس جملے پر حیران ہونے کی باری شاداں کی تھی۔ مقابل کی مہربانی کا جواب کیسے دینا ہے، کسی نے بتایا تھا نہ اس نے یہ صورت حال سوچی تھی۔ کبھی کبھی ہم خود کو بدترین حالات کے لیے اتنا مستعد اور کمر بستہ کر لیتے ہیں کہ عام صورت میں کیسا ردعمل دیں سمجھ نہیں پاتے، اس کا حال فی الوقت ایسا ہی تھا۔ پُراعتماد اور سنجیدہ سی دلہن کے چہرے پر پہلی بار تحیر اور ذرا سی حواس باختگی پھیلی۔

یہ شب عروسی عام نہ تھی اور وہ اس وقت صریح و نمایاں حقیقتوں اور مفروضہ ذمہ داریوں کا ذکر چھیڑ کر آغاز کو بوجھل نہیں کرنا چاہتا تھا۔ دوسری طرف ساری تیاری اسی کی تھی۔ وہ اس کے پاس سے گزر کر آگے میز تک آیا، وہاں سے کچھ اٹھایا اور پھر پلٹ کر اس کے سامنے پہنچا۔

"تم نے فارمل سے انٹروڈکشن کا چانس تو نہیں دیا....." اس نے شاداں کا بایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔ "ویسے ہم بالکل اجنبی بھی نہیں ہیں۔" پہلے



www.zemtime.com

سے بھری کلائیوں میں اس نے کنگھن پہنایا پھر دوسرا ہاتھ تھاما۔

"مجھے ان چیزوں کا کوئی آئیڈیا نہیں، مجھے اچھے لگے تھے، پتا نہیں تمہیں اچھے لگے یا نہیں لیکن اس دفعہ گزارا کرلو، آئندہ....۔" اس نے کنگھن کلائی میں ڈالنے کے بعد ہاتھ نہیں چھوڑا اور مسکراتے ہوئے اسے دیکھا۔ "تم ساتھ چلنا۔"

اس کے لہجے کی حلاوت تھی یا اس کے لمس کی حدت، شادماں کا پراعتماد اور سنجیدہ چہرہ اب گلابی تھا۔

اس مدہوش سی شب کا رنگ کچھ اور ہوتا اگر زید کے نگاہیں میز کے نیچے فرش پر پڑے آسمانی لفافے پر لکھا اپنا نام دیکھ لیتیں اور وہ اسے کھول کر اندر کی تحریر پڑھ لیتا تو اس گھر میں شادماں کی پہلی شب ہی آخری بھی ہوسکتی تھی۔

☆☆☆

اس کا خاندان حسین چہروں سے بھرا تھا۔ گلابیاں گھلی رنگت کے ساتھ ساتھ نین نقش بھی خوب صورتی کے معیار پر کھرے اترتے تھے۔ اسی لیے شاید نسرین کو غیر معمولی حسن کی تلاش تھی اور انہوں نے حقیقتاً دنیا کھنگال کے اس کے لیے چاندسی دلہن نہیں بلکہ چاند کا ٹکڑا ہی تلاش کیا تھا۔ فرح کی خوب صورتی اور نزاکت کے علاوہ اضافی ادا جو سب پر بھاری تھی وہ والدین کی اکلوتی اولاد ہونا تھی۔ عمر بھی بس اٹھارہ سال اور ڈیڑھ ماہ تھی۔ ان ساری خوبیوں کے یکجا ہونے پر ناز اور نزاکت دونوں کا اکٹھا ہونا بھی ناگزیر تھا۔ زید کا رومانی مزاج بس پھڑک پھڑک کر رہ جاتا۔ فرح کو اپنے ناز نخرے اٹھوانے کی عادت تھی، کسی کے اٹھانے کی نہیں۔ شادی اور نئی دلہن کا مطلب اس کے نزدیک بننا سنورنا، گھومنا پھرنا، دوستوں اور کزنز کو سارے احوال سنانا، فون پر لمبی لمبی گپیں لڑانا تھا۔ ہر دوسرے دن میکے کا چکر لگتا یا کوئی سہیلی اور کزن آدھمکتی۔ زید اپنی باری کا انتظار ہی کرتا رہتا کہ وہ اس کے ساتھ بھی وقت گزارے اور وہ اسے اپنی سنائے لیکن اسے زید کی باتوں میں دلچسپی تھی نہ اس کے لیے وقت تھا۔ وہ لاابالی، لاپروا اور اپنے شوق اور اپنی دنیا میں مست رہنے والی لڑکی تھی۔

فرح کو سسرال میں بھی چھوٹ حاصل تھی۔ کوئی سختی، پابندی نہیں تھی کہ شادی کے ابتدائی دن تھے۔ سب کچھ اس کا بچپنا کہہ کر نہ صرف نظرانداز ہوتا تھا بلکہ سب اس کی چنچل شوخ طبیعت پر خوش ہوتے تھے۔ برا اسے بھی نہیں لگتا تھا بس یہ تھا کہ اس نے شادی شدہ زندگی اور بیوی کا جو تصور باندھ رکھا تھا ویسا کچھ نہیں تھا۔ ستم یہ ہوا کہ شادی کے اگلے ماہ ہی ان کے یہاں 'گڈ نیوز' بھی وارد ہوگئی۔ ناز نخرے اٹھانے والے دونوں طرف موجود تھے۔ اس کے ابا دادی کے اکلوتے بیٹے تھے، وہ ان کا ایک ہی سپوت اور یہ اس کی پہلی اولاد تھی۔ سب نے فرح کو ہتھیلی کا چھالا بنا رکھا تھا پھر بھی اس کا زیادہ وقت اپنے میکے میں گزرتا تھا کہ اسے اس وقت اپنی امی کے قریب رہنا تھا اور اس کی خواہش سب کے لیے مقدم تھی۔ آخری کے چار ماہ تو وہ پورا وقت وہیں رہی۔ سب ٹھیک چل رہا تھا کہ ڈلیوری کے بعد اس کی حالت بگڑ گئی۔ جریان الدم رکنے کا نام نہیں لے رہا تھا، اسے بڑے اسپتال منتقل کیا گیا مگر سب بے سود ثابت ہوا۔ وہ جانبر نہ ہوسکی۔ ظاہر ہے سب اس صدمے سے شدید دکھی تھے مگر فرح کے والدین کا دکھ سب سے بڑا تھا۔ اکلوتی ہنستی مسکراتی جوان بیٹی کی اچانک موت نے انہیں گہرا زخم تو دیا تھا ساتھ ان کے اندر تلخی بھی بھر دی تھی اور انہوں نے بیٹی کی واحد نشانی سے پوری طرح منہ موڑ لیا۔ ان نے نزدیک وہ معصوم ان کی بیٹی کے جانے کی وجہ تھا۔

جتنے ارمانوں سے اسے بیاہ کر لائے تھے وہ اتنا ہی تھوڑا وقت لے کر آئی تھی۔ پلک جھپکتے ہی سارے منظر بدل گئے تھے۔ فرح کی موت اور اس کے والدین کے رویے کے علاوہ اکلوتے بیٹے کی زندگی کا خلا اور پیدا ہوتے ہی یسیر ہوچکا پوتا، بہو کے متعلق



www.zemtime.com

نسرین کے خیالات بھی بدل گیا تھا۔

معاذ کو گھر میں سب نے مل کر سنبھال لیا تھا۔ رقیہ شادی کے بعد دوسرے شہر میں تھی۔ سمیہ کا رشتہ طے تھا اور اب اس کی شادی سے پہلے سب کو ایک ذمہ دار بہو کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی، ترجیحات بدل گئی تھیں۔ انہیں کم عمر لاابالی لڑکی نہیں بلکہ سنجیدہ، ذمہ دار اور پختہ سوچ اور مزاج والی لڑکی چاہیے تھی۔ اب غیروں کے بجائے نظریں اپنوں میں وہ گوہر نایاب تلاش کر رہی تھیں اور انہیں وہ شادماں کی صورت نظر آ گیا۔ اس میں وہ تمام خوبیاں تھیں جو انہیں نئی بہو میں درکار تھیں۔ بس ایک عیب یہ تھا کہ شادی کے چند ماہ بعد ہی اس کی طلاق ہوگئی تھی۔ ان کے لیے فیصلہ اس لیے بھی آسان تھا کہ اس خیال کے آنے سے پہلے ہی طلاق کی وجہ انہیں شادماں کے پہلے شوہر کا شکی مزاج لگا تھا۔

شادماں کی دادی اور دادو بہنیں تھیں اور دونوں کی آپس میں خوب بنتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے گھرانوں میں آنا جانا لگا رہتا تھا اور تعلقات بھی اچھے تھے۔ دادو کی دونوں بیٹیاں دوسرے شہروں میں رہتی تھیں۔ اس شہر میں کوئی اور رشتے دار نہ ہونے کی وجہ سے بھی بہن کے خاندان سے ان کے زیادہ تعلقات تھے۔

دادو اور نسرین کی بات سن کر تو خالدہ کی آنکھوں میں آنسو ہی آ گئے تھے۔ ان کی کوششیں اور دعائیں جو ظفریاب ہوئی تھیں مگر دادی کو پچھلے تجربے کے بعد یہ ایک اور جوکھم لگ رہا تھا۔ یہ ان کی بہن کے اکلوتے پوتے کی زندگی کا سوال تھا وہ بھی دوسری بار سو انہوں نے دادو کو سمجھانے کی اپنی سی کوشش کی کہ وہ نہیں چاہتیں کہ کچھ اونچ نیچ ہو اور اس وجہ سے دونوں گھرانوں کے رشتے میں بگاڑ پیدا ہو جائے۔ زید کو اب بھی کئی اچھی اور کنواری دوشیزائیں مل سکتی تھیں مگر نسرین کا دل اب شادماں پر آ گیا تھا۔ انہیں دیکھی بھالی اور ایسی لڑکی چاہیے تھی جس کا مزاج وہ جانتی ہوں، انہوں نے سارے ارمان پہلی شادی میں پورے کر لیے تھے اب حالات مختلف تھے اور بہو سے توقعات بھی۔ دادی کو سب نے تسلیاں دے کر مطمئن کر دیا تھا۔

ایک بار پھر ماں اور سب بہنیں اپنے مشورے اور تجربات کی روشنی میں اس کی رہنمائی کے لیے موجود تھیں۔ وہ خود کو ایک عام لڑکی سمجھتی تھی، خاندان کی دوسری تمام لڑکیوں کی طرح لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ خاندان کی واحد طلاق یافتہ لڑکی تھی اور اب پہلی جس کی دوسری شادی ہو رہی تھی۔ جسے منہ دکھائی میں ایک نو ماہ کا بیٹا ملنے والا تھا۔ وہ ایک بار نا کام ہو چکی تھی جو اس کے اناڑی پن کی دلیل تھی اس لیے سب نے گھر داری سے لے کر شوہر کے دل پر راج کرنے کے اتنے گر، نسخے اور طریقے اس کے پلو سے باندھ دیے تھے کہ اس بوجھ سے وہ جھکی جا رہی تھی۔ اس کے والدین کی کامیاب گرہستی جس میں بنا کسی اونچ نیچ اور بدمزگی کے تین بیٹیوں کی اچھے خاندانوں میں شادی، ایک اچھے خاندان سے بہو لانا شامل تھا، وہ واحد دھبا تھی۔ اس لیے اس نے بھی ٹھان لیا تھا جی جان لگا دے گی لیکن اس شادی کو ٹوٹنے نہیں دے گی۔

☆☆☆

"مصروف ہو؟" شادی کی تاریخ طے ہو جانے کے بعد ایک دن الیاس عالم نے دروازے پر دستک دینے کے بعد پوچھا۔

"نہیں، آئیں ناں۔" اس نے کتاب ایک طرف رکھ دی۔ وہ اس کے کمرے میں کبھی کبھار ہی آتے تھے۔

کالج کی چند باتوں کے بعد انہوں نے تمہید باندھی۔

"تیار ہو پوری طرح نئی اننگز کے لیے؟"

"ہاں تو کر دی ہے پاپا..... اور کیسے پوری طرح ہوا جاتا ہے؟" وہ ہنسا۔

فرح کی وفات کے دو ماہ بعد سے ہی نسرین اور دادو اس سے دوسری شادی کا کہہ رہی تھیں کہ جتنی



www.zemtime.com

کم عمری میں معاذ کسی اور سے مانوس ہوجائے اتنا اچھا ہوگا مگر وہ اتنی جلدی پھر اسی سب سے گزرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے انہیں ہاں کہنے میں بہت وقت لگایا تھا۔

"تمہارے ساتھ جو ہوا وہ والدین کا سب سے بڑا خوف ہوتا ہے لیکن تقدیر کے آگے صبر بھی آ ہی جاتا ہے۔" وہ اس کے برعکس سنجیدہ تھے۔

"تمہارے لیے پارٹنر دیکھنے کا کام تو دونوں وقت نسرین نے ہی کیا ہے لیکن اس کی اور ہم سب کی بھی ترجیحات دونوں موقعوں پر الگ الگ تھیں۔ اسی لیے فرح والی خوبیاں یا عادتیں تمہیں شادماں میں نہیں ملیں گی، دوسرے تم دونوں ہی ایک تلخ اور افسردہ تجربہ بھگت چکے ہو اس لیے ....." انہوں نے بیٹے کو دیکھا۔

"میں چاہتا ہوں تم کچھ باتوں کا خیال رکھوں، کچھ ایڈجسٹمنٹس قبول کرکے ذہن نشین کرلو۔"

"جی پاپا۔"

"ہمارے معاشرے میں لڑکی کی طلاق ہوچکی ہو تو وجہ چاہے جو بھی رہی ہو عجیب وغریب اور جھوٹی سچی افواہیں سب جگہ پھیل جاتی ہیں، اس لیے کسی بھی سنی سنائی پر یقین کرنا بے وقوفی اور رشتے کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ ان حالات میں جتنے منہ اتنی باتیں والا مقولہ سچ ہوتا ہے۔ ایک ہی خاندان میں دوسری شادی ہو تو سب کو کھوج اور کرید بھی بہت رہتی ہے لیکن مجھے امید ہے تم کسی کو موقع نہیں دو گے اور خدا ناخواستہ کچھ ناخوش گوار بات ہو بھی جائے تو جلد بازی اور فوری ردعمل سے پرہیز کرو گے کہ اس کے نتائج تو کبھی اچھے نہیں ہوتے۔ لیکن اس کیس میں تو بدترین ہوسکتے ہیں، میں چاہوں گا تم اس سے بچو۔ پارٹنر کی ڈیتھ اور طلاق کے اثرات ایک سے نہیں ہوتے۔ عورت کے لیے شادی ٹوٹنے کا ٹراما مرد سے مختلف اور گہرا ہوتا ہے کیونکہ ایسے کیسز میں سوسائٹی کا رویہ عورت اور مرد کے ساتھ ایک سا نہیں رہتا۔ دکھ کے ساتھ جو چوٹ طلاق میں لگتی ہے اس کا اندازہ شاید تمہیں نہ ہو اور تمہارے نقصان اور خلاء کو شاید وہ محسوس نہ کرسکے اس لیے ضروری ہے کہ ایک دوسرے کو وقت اور اسپیس دو، پہلے خود ہی سمجھنے کی کوشش کرو اور جب درمیان میں خوش گوار اور صحت مند فضا قائم ہوجائے تو جو نہ سمجھ سکو پوچھ لو۔ زیادہ توقعات کے بجائے پریکٹیکل شروعات زیادہ مناسب ہوگی۔ خیال رکھو کہ تمہارے رویے سے شادماں کو کسی کا ریپلیسمنٹ ہونے کا احساس نہ ہو، نہ یہ شادی سمجھوتے اور مجبوری کا رشتہ لگے۔ شادماں کے لیے یہاں آتے ہی معاذ کی ذمہ داری بھی ہوگی تمہیں اس سے اول دن سے ہی جنم دینے والی ماں سی امید نہیں ہونا چاہیے بلکہ تم چاہو تو ان دونوں کو آپس میں بونڈ ہونے میں اہم رول ادا کرسکتے ہو، اس پر معاذ کے معاملے میں اپنی مرضی تھوپنے یا اپنی مرضی چلانے کے بجائے اسے اتنی آزادی دو کہ اسے اپنے پن اور استحقاق کا احساس ہو نہ کہ یہ لگے نگرانی ہورہی ہے، کڑی نظر رکھی جارہی ہے۔"

اس کے چہرے پر تفکر کی پرچھائیاں دیکھ کر وہ رک کر مسکرائے۔

"گھبراؤ نہیں..... " انہوں نے اس کا شانہ تھپتھپایا۔ "ایک عمر، مشاہدے اور تجربے کے ساتھ ساتھ دنیا اور لوگوں کو سمجھنے میں گزاری ہے اور اگر ان سب کا حاصل بیٹے کی رہنمائی میں نہیں لگایا تو عمر ہی بے کار ہوئی پھر تو۔"!

"میں آپ کی ساری باتیں یاد رکھوں گا پاپا۔" اس نے بھی اچھے بچوں کی طرح باپ کو خوش کیا۔

"شاباش!" وہ ہنس دیے۔

الیاس عالم اور نسرین دونوں تدریس سے وابستہ تھے۔ الیاس عالم تین سال پہلے سبکدوش ہوچکے تھے اور نسرین ڈیڑھ سال قبل۔ الیاس عالم جس اسکول میں صدر مدرس کے عہدے پر تھے نسرین بھی اسی اسکول میں پڑھاتی تھیں۔ بچوں نے بھی والدین کا پیشہ ہی اپنایا تھا۔ زید ڈگری کالج میں اکنامکس کا لیکچرر تھا اور سمیہ کانوینٹ اسکول میں



www.zemtime.com

پرائمری کی معلمہ تھی۔ سمیہ سے بڑی رقیہ نوکری نہیں کرتی تھی۔ وہ شادی کے بعد دوسرے شہر جا بسی تھی۔

☆☆☆

اس کی الجھن اور تفکرات کچھ دن میں ہی دور ہوگئے تھے۔ دادو، نسرین اور الیاس عالم گھر میں ہوتے، سمیہ اور زید صبح اپنے کالج اور اسکول چلے جاتے تھے۔ سمیہ ساڑھے بارہ ایک بجے واپس آجاتی تھی اور زید اس کے ڈیڑھ دو گھنٹہ بعد۔ ملازمین تھے، اس لیے اس پر گھر کے کام کی کوئی خاص ذمہ داری نہیں تھی۔ کھانا بھی وہ بناتی تو بھی نسرین۔ اس کی سب سے بڑی ذمہ داری معاذ تھا جو گھر والوں نے پوری طرح اس پر ڈال دی۔

پیدا ہوتے ہی ماں سے دور کر کے اللہ نے اسے بدلے میں جیسے صبر کا تحفہ عطا کر دیا تھا۔ وہ زیادہ رونے والا یا ضد کرنے والا بچہ نہیں تھا۔ وہ بہت پھرتیلا اور فعال تھا۔ جانے پہچانے چہروں کے بیچ وہ خوش رہتا تھا۔ شادی سے پہلے ہی اکثر نسرین اسے ان کے گھر لے جاتی رہی تھیں۔ وہ بھی رشتے کی بات سے پہلے امی اور دادی کے ساتھ آتی رہتی تھی سو اس کے لیے اجنبی نہیں تھی۔ اس کے ساتھ مصروف رہنے سے یہ ہوا تھا کہ وہ لاحاصل اور بے کار سوچوں سے دور ہوگئی تھی۔ دن بھر اس کے ساتھ اتنا تھک جاتی کہ رات میں گہری نیند سونے لگی تھی جو پہلے شاد ہی مہرباں ہوتی تھی۔ گھر سے اکثر دادی اور امی ملنے آتی رہیں۔ وہ بھی جاتی لیکن رکتی نہیں تھی۔

سمیہ کی شادی طے تھی اور اس کے جانے سے پہلے نئی بہو گھر کے افراد، یہاں کے معمول اور طور طریقوں سے ہم آہنگ ہو جائے، یہ سوچ کر شادی میں دیر نہیں کی گئی تھی اور اب یہ مرحلہ بخیر و خوبی نپٹ جانے کے بعد نسرین بیٹی کی تیاریاں شروع کرنا چاہتی تھیں مگر اس سے پہلے ایک اہم ریت، ضروری رسم رہ گئی تھی۔

زید تو خود چاہتا تھا لیکن شادی کے فوراً بعد کالج کے پچیسویں یوم تاسیس کے جلسے اور تقاریب میں لازمی موجودگی کی وجہ سے چپ تھا۔ وہاں سے فراغت ملتے ہی گھر والوں نے معاذ کو اپنے پاس روک کر ان دونوں کو ہنی مون پر روانہ کر دیا۔ زید خوش اور پرجوش تھا جب کہ شادماں یوں تھی جیسے وہ کسی فرض کی ادائی کے لیے معمول کے سفر پر روانہ ہوئے ہوں۔

ان چار دنوں کی تنہائی اور ہمہ وقت کے ساتھ نے شادماں کی شخصیت کی کئی پرتیں اس کے سامنے کھول دی تھیں۔ وہ بے زار یا خشک مزاج نہیں تھی۔ کم ہی سہی مگر ہنستی مسکراتی تھی، ذہین تھی، دنیا میں کیا ہو رہا اس سے واقف تھی، پہننے اوڑھنے اور خود کو عوامی جگہوں پر برتنے کا سلیقہ تھا، اس پاس کی خوب صورتی سے لطف اندوز ہوتی تھی، دل فریب موسم اس کا مزاج بھی بدلتا تھا لیکن اس کا رویہ اس کے ساتھ محتاط سا تھا۔ اس کی ہر بات پر سر جھکا کر لبیک کہنا، اس کے آرام اور ضرورتوں کا خیال رکھنا، کسی بات سے اختلاف نہ کرنا، مانو اس کی اپنی مرضی یا مزاحمت والی صفت اس میں ناپید تھی۔ زید کو محسوس ہونے لگا تھا اس نے اس رشتے میں اول دن سے اپنا آپ ثانوی کر لیا ہے۔ وہ شوہر کو راضی اور خوش رکھنے کے لیے جیسے خود کو فراموش کرنے کی ٹھان چکی تھی جب کہ اسے محبت، شرارت، التفات، اظہار، مطالبہ، سب میں برابری چاہیے تھے۔

وہ اسے بولنے پر اکساتا اور وہ بمشکل دو جملوں کے بعد پھر چپ ہو جاتی۔ اسے الیاس عالم کی باتیں یاد تھیں اس لیے وہ صبر کا دامن تھامے تھا ورنہ کئی بار اس کا دل کیا وہ اس سے صاف بات کر لے، آیا وہ اس سے ڈر رہی ہے، پچھلے تجربے کی وجہ سے خائف ہے، اس کو لے کر دل میں کوئی بات ہے، اس کا مزاج ہی ایسا ہے یا ان سب کے علاوہ کوئی گہری اور غیر معمولی وجہ ہے۔ اس کا رومانی مزاج اس تعلق میں مقابل کی بھرپور شمولیت اور بے تکلفی کا خواہاں تھا۔ یہ موقع تھا کہ وہ اس سے اپنی ایسی خواہشوں کا اظہار کرتا مگر اسے ہر قدم پر پاپا کی نصیحت اور مشورے یاد



www.zemtime.com

آجاتے تھے۔ یہ مختصر قیام اور سفر اس کی توقعات کے مطابق نہیں تھا تو قطعی مایوس کن بھی نہیں رہا تھا۔

☆☆☆

"اس سوال کی وجہ؟" لب سیے اس کی پوری بات سننے کے بعد سمیّہ نے جانچتی نظروں کے ساتھ سوال داغا۔

"کہا تو تمہاری بے لاگ رائے چاہیے؟"

"اب کیوں؟ یہ خیال آپ کو شادی سے پہلے کیوں نہیں آیا؟"

"پہلے ضروری نہیں لگا تھا لیکن اب 'اِن پٹ' چاہیے۔ بے لاگ، غیر جانب دار اور غیر متعصب جو تمہارے علاوہ کسی اور سے نہیں مل سکتا۔"

اس نے کچھ دیر چپ چاپ بھائی کو دیکھا پھر گہری سانس لے کر کہنا شروع کیا۔

"وہ مجھ سے ایک کلاس آگے تھیں۔ اسکول کالج میں یوں تو وہ عام سی لڑکی ہی تھیں، ہم سب جیسی، پڑھائی میں ٹھیک ٹھاک، ملے جلے کی شوقین نہیں تھیں، سب سے بات چیت کرتی تھیں لیکن ان کی کوئی خاص اور قریبی سہیلی نہیں تھی، کوئی قابلِ اعتراض بات بھی نہیں تھی ان میں لیکن خاندان کی تقاریب میں وہ کچھ الگ تھلگ رہتی تھیں، اس کی وجہ شاید یہ بھی کہ ان کی بڑی بہنوں میں اور ان میں اتنا گیپ کافی ہے اور کچھ تایا جان بھی مزاج کے سخت گیر مشہور ہیں۔ ایک اداسی، گم گوئی یا ایک خاص کیفیت جوان کے گرد ہالہ کیے رہتی ہے۔ اس کی وجہ سب کو ان کے جڑواں بھائی کی بے وقت موت لگتی تھی اور یہ وجہ درست بھی ہے۔ کہتے ہیں نا جڑواں لوگوں کا تعلق باقی بہن بھائیوں سے مختلف ہوتا ہے۔ مجھے کبھی کبھی لگتا ہے ان کا یہ ہی مزاج ان کے پہلے شوہر کو اچھا نہیں لگا یا غلط فہمی میں مبتلا کر گیا، کچھ وہ شکی مزاج بھی تھا پھر یہ ہمارے خاندان کا کئی پشتوں میں پہلا طلاق تھا تو اسے سب نے عزت اور وقار اور جانے کس کس کا مسئلہ بنا لیا اس کے بعد وہ پہلے سے زیادہ ریزرو ہوتی گئیں۔"

"تمہیں ایک لائن میں اسے ڈسکرائب کرنا ہو تو کیسے کرو گی؟"

"اپنے آپ میں رہنے والی، ذمہ دار، مضبوط کردار والی لڑکی، اب آپ سچ بتا دیں کیوں پوچھ رہے ہیں یہ سب؟ مجھے گھبراہٹ ہو رہی ہے۔"

"ایسے ہی تاکہ اسے سمجھنے میں آسانی ہو۔"

"کوئی مسئلہ ہے؟"

"ابھی تک تو نہیں۔"

"ہم سب چاہتے ہیں اب آپ کی زندگی خوش گوار ہو، آپ انجوائے کریں، خوش رہیں، کوئی بات ہے تو چھپائیں نہیں۔"

"کوئی بات نہیں ہے سمیّہ، شادماں سے مجھے کوئی مسئلہ بھی نہیں بلکہ وہ بہت ایزی اور فرماں بردار ہے، بس اس کی کم گوئی کی عادت کی وجہ سے سوچا اسے بولنے پر مجبور کرنے سے اچھا ہے تم سے پوچھ لوں۔" وہ مسکرایا۔

"انہیں بھی بولنے پر مجبور کریں، جھوٹ نہیں کہوں گی مجھے وہ پہلے بھی اچھی لگتی تھیں میں نے امی سے کہا بھی تھا کہ آپ کے لیے ان کا سوچیں....."

"ہیں؟" اسے تعجب ہوا۔

"جی، لیکن تب تک ان کی شادی طے ہو گئی تھی اور پھر امی کو تو جب حسین مہ جبین اور پری اور حور سے کم کوئی چاہیے ہی نہیں تھی، وہ تو نازک اور پھول جیسی بہو کی ساری عمر تخت پر بٹھا کر اس کی خدمتیں کرنے ریڈی تھیں۔"

"ہمم۔" اس نے پرسوچ سا ہنکار بھرا۔ اس نے پہلی بار اس کے سنجیدہ اور کم گو مزاج کو اس کے جڑواں بھائی کی موت سے جوڑا جو آٹھ سال کی عمر میں انتقال کر گیا تھا۔

☆☆☆

پاپا اس پر مہربان ہوئے تھے یا بہو پر جو آج اسے اپنی کار کی چابی عنایت کی تھی کہ جاؤ شادماں کو گھما لاؤ۔ وہ کار کی جگہ ہمیشہ بائیک چلانا پسند کرتا تھا۔ شادماں کو کئی بار میکے بھی وہ بائیک سے ہی لے



www.zemtime.com

لیا تھا۔

جب اس نے کمرے میں آکر اسے تیار ہونے کہا تو وہ جی کہتی دروازے کی طرف بڑھی۔

"تیار ہونے ادھر کہاں؟" زید نے اس کا ہاتھ پکڑ کر روکا۔

"معاذ چاچی کے پاس ہے پہلے اسے تیار کرتی ہوں۔" عادتاً اس کی نظریں نیچی تھیں، اس بار وہ اس کے ہاتھوں کو دیکھ رہی تھی۔

"میں نے تمہیں تیار ہونے کہا ہے، صرف ہم دونوں جا رہے ہیں۔"

"جی..... اچھا۔" وہ کچھ متعجب ہوئی مگر نہ کیوں پوچھا، نہ اصرار کیا۔

"اب جاؤ دیر ہو رہی ہے۔" وہ وہیں کھڑی رہی تو اس نے کہا۔

"آپ....." اس نے دوسرے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ "ہاتھ چھوڑیں تو....."

"اوہ!" زید نے ہاتھ چھوڑا اور وہ پلٹ کر الماری کی جانب بڑھ گئی۔

"خود بھی تو چھڑا کے جا سکتی تھی۔" اس نے اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے سوچا۔

"کہاں چلیں؟" سڑک پر آنے کے بعد اس نے پوچھا۔

"کہیں بھی، جہاں آپ لے جانا چاہیں۔"

"میں کیوں کسی اور جواب کی توقع رکھتا ہوں۔" اس نے جل کے سوچا۔

"میں نے کبھی فرماں بردار بیوی کی دعا نہیں مانگی تھی، جانے کہاں سے کراس کنکشن لگ گیا ہے۔" وہ یوں کھڑکی کے باہر دیکھ رہی تھی جیسے اسی کام کے لیے گھر سے نکلی ہو۔

"شادماں!" کچھ دیر سوچنے کے بعد اس نے پکارا۔

"جی!" اس فوری جی پر زید کو اس پر چراغ کے جن کا گمان ہوتا تھا۔

"تم سے کسی نے کہا ہے کہ میں سخت مزاج ہوں؟"

"نہیں۔"

"یا یہ کہ میں دوسرے کی مرضی کو اہمیت نہیں دیتا ہوں۔"

"نہیں۔"

"پھر تم کیوں کچھ نہیں کہتیں؟" اس کی نگاہ اور آواز دونوں ملائم تھے۔

"میں..... کہتی تو ہوں، بات بھی کرتی ہوں۔" اس کے چہرے پر اس نرمی کے باوجود ہوائیاں اڑنے لگیں۔

"جب میں تم سے کچھ پوچھتا ہوں یا رائے چاہتا ہوں تو جی، اچھا، جو آپ کہیں، جہاں آپ کہیں..... نہیں بلکہ مناسب جواب یعنی تمہاری پسند سننا ہوتی ہے۔"

اس نے پل بھر کو زید کا چہرہ دیکھا پھر گود میں اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

کسی نے یہ تو بتایا ہی نہیں تھا کہ زید یوں کہیں تو کیا کرنا ہے اور اس کی اپنی مرضی، سمجھ، شعور... اس نے ان سب پر قفل لگا رکھا تھا، پردے ڈال دیے تھے۔

"زید عالم! رومانس کے ارمان لے کر قبر میں جانا۔" اس کی خاموشی طویل ہونے لگی تو اس نے دل میں خود پر طنز کیا۔

"آئس اینڈ چل چلیں۔" اس نے آئس کریم پارلر کا نام لیا۔

"اوکے۔" اس نے مسکراتے ہوئے رفتار بڑھا دی۔ "لیکن اس سے پہلے ڈنر کرتے ہیں۔"

"جی۔" وہ شرمندہ ہوگئی۔ کھانے کے وقت نکلنے کی وجہ باہر کھانے کا ارادہ ہوگا اور اس نے وہ ہی نہ سوچا۔"

جب اس نے میز سے مینو اٹھایا ہی نہیں تو زید نے اسے تھماتے ہوئے کہا۔

"تم آرڈر کرو۔"

"میں..؟" وہ بظاہر پڑھی لکھی بااعتماد لڑکی



www.zemtime.com

تھی لیکن اس کی ایسی فرمائشوں پر یوں گھبراتی تھی جیسے کچھ غلط کہہ دیا تو جانے کیا ہوگا۔

کیا منگوایا جائے طے کرنے کے لیے اس نے پورے دس منٹ لگائے۔ کھانے کے دوران بھی وہ ہی بولتا رہا۔ وہ جواب دینے کے ساتھ مسکرا بھی رہی تھی۔ کھانے کے بعد وہ آئس کریم پارلر آئے۔ وہاں اس نے جو فلیور کے نام بتائے وہ زید نے کبھی نہیں سنے تھے۔

"آج مجھے تمہارے بارے میں پہلی بات معلوم ہوئی۔"

"کیا؟"

"کہ تمہیں آئس کریم بہت پسند ہے اور یہ انوکھے فلیورز تمہارے فیورٹ ہیں۔"

وہ مسکرانے لگی۔ "بلیو بیری چیز اور ونیلا براؤنی انوکھے کہاں! انوکھے تو آپ نے ابھی سنے ہی نہیں۔" آئس کریم کے ذکر پر اس کا مزاج خود بخود خوش گوار ہو جاتا تھا۔

"تو آج یہ محرومی دور کر دو۔" کھلی کھلی سی شادماں کو دلچسپی سے دیکھتے ہوئے کہنیاں میز پر ٹکا کے وہ آگے آیا۔

"پانی پوری، مسالا چائے، کافی اینڈ ڈونٹ، کولکتا پان، گوا وا اینڈ چلی، جنجر پائن ایپل، بلیو چیز ہنی، ببل گم، لیمن منٹ اور بھی کئی ہیں اور یہ سب یہیں ملتے ہیں۔ میں نے سب یہیں کھائے ہیں۔" یہ اس کے کالج کے راستے میں تھا اور اکثر لڑکیاں ٹریٹ منانے وہاں جاتی تھیں۔

"نام سن کر کسی ایک کو بھی کھانے کی خواہش نہیں جاگی۔" وہ میٹھے کا شوقین نہیں تھا۔

"سب کا ذائقہ ہماری زبان کو بھلا نہیں لگتا لیکن کچھ واقعی اچھے ہوتے ہیں۔"

"تمہاری ناچ اور آئس کریم کھانے کا تجربہ متاثر کن ہے۔"

"میں تینوں ٹائم آئس کریم کھا کر بھی زندہ رہ سکتی ہوں۔"

"اوہ! یعنی تمہارا ارادہ واقعی ڈنر کے لیے یہیں آنے کا تھا؟" وہ ہنس دی۔

"نہیں ایسا بھی نہیں۔"

اپنی پسند کے تین کون کھانے کے بعد اس نے چلنے کو کہا۔

"چلتے ہیں۔" وہ کھڑا ہوا۔

"تم رکو یہیں دو منٹ ابھی آیا۔" وہ گھر ساتھ لے جانے کے لیے فیملی پیک لینے گیا تھا۔

وہ فون دیکھنے لگی کہ چاچی کی کال یا پیغام تو نہیں۔ تب ہی سامنے کوئی آ کر رکا۔ اسے لگا زید ہے۔ وہ کھڑی ہوئی اور سامنے دیکھتے ہی اس نے میز پر ہاتھ رکھ کر خود کو سنبھالا۔

"تو یہ تھا تمہارے دل میں، اپنا کزن! یہ تھی تمہاری محبت جس کا سوگ مناتی تھیں تم، اپنی آنکھوں میں اس کا چہرہ چھپاتی تھیں، بہت معصوم بننے کا ڈرامہ کیا تم نے، اسی معصومیت کے نقاب نے سب کو بے وقوف بنایا تھا، پکی ہو ویسے کر ہی لی اس سے شادی، یہ ہی کرنا تھا تو میری زندگی میں کیوں آئی تھیں؟ اب شادی ہو گئی تو پہلے بھی ہو سکتی تھی نا، طلاق کے بعد کر لی اس نے تو پہلے کیوں نہیں کی، تم دھوکے باز اور چالباز عورت کیوں آئی تھیں میری زندگی میں؟" اس نے زور سے میز پر ہاتھ مارا۔

"کون ہیں آپ؟ کیا ہوا ہے؟" دور سے دیکھ کر زید تقریباً دوڑتا وہاں پہنچا تھا۔

"شادی کرنا ہی تھی اس سے تو پہلے کر لیتے میری زندگی تو برباد نہیں ہوتی۔" وہ پھنکارتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ زید نے اسے اب پہچانا۔ غصے میں اس کے پیچھے جا رہا تھا کہ شادماں نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

"گھر چلیں زید۔"

اس کی سفید پڑتی رنگت اور یخ ہاتھ پر غصے کی جگہ تشویش نے لے لی۔ وہ اسے لیے کار تک آیا اور وہ نڈھال سی پشت سے ٹک گئی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔

"شادماں!" اس نے جھٹ آنکھیں کھولیں



www.zemtime.com

اور سیدھی ہوگئی لیکن عادت کے مطابق اسے دیکھا نہیں۔

وہ اب سہمی سی تھی۔ زید کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ اسے لگا وہ رونا چاہتی ہے، وہ اس کے سوال اور بازپرس کی منتظر ہے، خوف زدہ ہے اور ان سارے تاثرات پر سوگواری کا رنگ چڑھا تھا۔

"تمہارے فیورٹ فلیورز کے فیملی پیک نہیں تھے تو میں نے ونیلا اور بٹر اسکاچ لے لیے، یہ تمہیں ناپسند تو نہیں؟" شادماں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا، حیرت اور بے یقینی سے پورے دس سیکنڈ پھر سر جھکا لیا۔

"میں کسی آئس کریم کو منع نہیں کرتی۔"

"تھینک گاڈ!" اس کے چابی گھما کر انجن شروع کیا۔

راستہ بھر وہ دونوں خاموش تھے۔ گھر پہنچ کر وہ سیدھا نرسین کے کمرے میں گئی۔ معاذ ان کے پاس سو گیا تھا۔ اسے کمرے میں لا کر اس کی جگہ پر لٹانے کے بعد اس نے کپڑے تبدیل کیے اور نماز پڑھنے کے لیے کھڑی ہوگئی۔ نماز ختم ہی ہوئی تھی کہ دادی نے اسے آواز دی اور وہ پھر چلی گئی۔ کافی دیر بعد کمرے میں واپس اس امید پر آئی تھی کہ زید سو گیا ہوگا لیکن وہ جاگ رہا تھا اور کیوں جاگ رہا تھا یہ سوچ کر اس کا وہاں سے بھاگ جانے کا دل کیا۔

"اور کوئی کام باقی ہے؟" اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ اس نے انکار میں سر ہلایا۔

"تو آؤ۔" اس نے بازو میں ہاتھ رکھ کر کہا۔ وہ اپنی سونے کی جگہ پر نہیں تھا بلکہ پلنگ کے کنارے بیٹھا تھا۔ جہاں اس نے ہاتھ رکھا تھا وہ وہیں جا کر بیٹھ گئی۔

"میں تم سے ناراض، غصہ یا بدگمان کچھ بھی نہیں ہوں۔ لیکن تم میری بیوی ہو، میری عزت، میں محافظ ہوں تمہارا اور کوئی تم پر چیخ چلا کر یا کہیں باتیں سنا کر چلا جائے تو مجھے غصہ آنا چاہیے اور میں اس وقت بہت غصے میں تھا لیکن....." وہ رکا اور شادماں کا دل بھی رکنے لگا۔

"تم نے میرا ہاتھ پکڑ کر روک لیا اور عجیب بات ہوئی کہ اسی وقت میرا غصہ غائب ہوگیا۔" اس کے چہرے پر نہ کوئی ناسمجھ میں آنے والا تاثر تھا۔

"جانتی ہو کیوں؟"

اسے سر اٹھا کر زید کو دیکھنا چاہیے تھا لیکن اس نے یونہی نیچے دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا

"مجھے تمہاری فکر ہوئی تھی کہ میں اس کے پیچھے چلا گیا تو تم اکیلی کہیں وہاں گر ہی نہ جاؤ۔"

اس کی فکر بہت سے لوگوں کو تھی دادی، ابا، امی، بہنیں، بھائی بھابھی اور سب کی فکر کے پیچھے وجہ تھی جس سے ان کی اپنی ذات اور فائدے جڑے تھے۔ اور ہر فکر نے اس کے لیے مشکلیں ہی پیدا کی تھی اس لیے اسے شوہر کی زبان سے ادا ہوئے یہ الفاظ کوئی تسلی اور خوشی نہیں دے رہے تھے۔ زید کا تو سب سے بڑا مفاد تھا۔ اسے اپنے بچے کے لیے اچھی ماں چاہیے تھی جو بننے کی وہ کوشش بھی کر رہی تھیں۔ اب ہر حال میں اس گھر میں ٹکے رہنا، اس کا بھی تو مطلب تھا۔ اس کے تجربات نے شوہر کا دل میں غنچے کھلانے والا فقرہ اس کے لیے معمولی بنا دیا۔

"اب تم بہتر ہو تو مجھے بتاؤ کیا کہہ رہا تھا وہ تاکہ اس کا کیا کرنا ہے میں سوچوں۔"

چھپانے والی تو کوئی بات تھی نہیں اور اس کے سوال کے بعد وہ خاموش بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ ذرا توقف کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔

"عاقب کو یہ شک تھا کہ میں کسی اور میں انٹرسٹڈ ہوں، اس سے شادی زبردستی ہوئی ہے، اس کے نکاح میں ہوتے ہوئے بھی میں کسی اور کے خیالوں میں گم رہتی ہوں..... آپ کے ساتھ دیکھ کر ....." وہ کسی خیال کی آمد پر ایک دم رک گئی۔ وہ اُس وقت زید کے ساتھ جس طرح بے تکلف تھی، جیسے ہنس رہی تھی مسکرا رہی تھی، ویسے کبھی عاقب کے ساتھ نہیں ہو سکی تھی بلکہ صنف مخالف میں بھی کسی کے ساتھ نہیں۔



www.zemtime.com

''اسے لگا وہ آپ ہیں۔'' اس نے دھیرے سے جملہ مکمل کیا۔

''مطلب؟''

''مطلب اس کے مطابق شادی سے پہلے ہی مجھے آپ سے محبت تھی.... پہلی شادی سے پہلے۔ ۔'' اس نے رک رک کر بات مکمل کی تھی۔

''واقعی؟''

''نہیں.. '' اس نے تیزی سے کہا۔'' مجھے آپ سے محبت نہیں تھی، بالکل بھی نہیں، ایسا عاقب کو لگا لیکن یہ سچ نہیں ہے، میں.... '' سارے معاملے میں وہ پہلی بار بوکھلائی تھی۔

''شادماں!'' دفعتاً زید نے ایک ہاتھ سے اس کا چہرہ اٹھا کے اپنی سمت کیا۔

''مجھے یقین ہے۔'' یہ اتنا اچانک ہوا تھا کہ ان کی نگاہیں آپس میں ٹکرائیں۔

''تمہیں مجھ سے محبت ہوتی تو میں بے خبر نہیں رہ سکتا تھا۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔ شادماں نے آنکھوں کے ساتھ ساتھ سر بھی جھکا لیا۔ زید نے اس کے گال سے اپنا ہاتھ ہٹایا۔

''اسے اس لیے لگا کہ میں......'' وہ تیزی سے صفائی دینے لگی تھی کہ رک گئی۔ غیر ضروری سی بات تھی۔

''ہمم؟'' زید کی سوالیہ آواز پر وہ جز بز ہوئی۔ اب کہنا ضروری ہو گیا تھا۔

''جس طرح آپ کے ساتھ وہاں بے تکلفی سے باتیں کر رہی تھی ویسے بھی۔ . .'' اسے احساس ہوا، سابقہ شوہر کے متعلق موجودہ شوہر سے بات نہایت مشکل اور فضول عمل ہے۔

''ہم یہ بات یہیں ختم نہیں کر سکتے؟''

''اوکے۔'' اس کے اضطراب اور کشمکش کا اسے بھی ادراک ہوا۔ وہ خود سے تو کبھی کھلتی نہیں تھی، موقع ملے تب بھی دامن بچا لیتی تھی۔

''آئندہ وہ کبھی اس طرح پریشان کرے تو مجھے فوراً بتانا۔''

''نہیں۔'' اس نے جھٹ کہا۔'' مطلب میں کہیں جاتی ہی نہیں ہوں تو وہ اس سے ملوں گی کیسے۔''

''آج جیسا سامنا تو کہیں بھی کبھی بھی ہو سکتا ہے یا تم نے سوچ لیا ہے کہ اب میرے ساتھ بھی باہر نہیں جانا؟''

واقعی اس نے لمحہ بھر پہلے یہ ہی سوچا تھا۔

''نہیں تو. ...'' اس نے جھوٹ کہا۔

''گڈ، کیوں کہ اب ہر ویک اینڈ اس پارلر کا چکر فکس ہے۔''

اس کی بات پر وہ سر جھکائے جھکائے مسکرائی اور زید ان عجیب غریب فلیور والی آئس کریموں کی قسمت پر رشک کرنے لگا۔ اس دن کے بعد سے گھر کے فریزر میں ہمہ وقت آئس کریم موجود ہوتی تھی۔

اسے بدگمان اور بے زار ہونے سے پاپا کی باتوں نے بچایا ہوا تھا ورنہ تو وہ بھی عام شوہر ہی تھا۔

☆☆☆

آج اسے کالج سے واپسی میں دیر ہو گئی تھی۔ گیٹ کے باہر سے ہی اسے الیاس عالم کی آواز سنائی دی۔ یقیناً وہ اپنے پودوں کی ناز برداریوں میں لگے تھے۔ سبکدوشی کے بعد اپنے باغبانی کے شوق کو انہوں نے مصروفیت بنا لیا تھا۔ ہارن کی آواز پر ذرا دیر بعد شادماں نے گیٹ کھولا اور فوراً ہی واپس بھی چلی گئی۔ بائیک کھڑی کرنے کے بعد وہ گیٹ بند کر کے ان کی طرف آیا تو اس کی جلد بازی کی وجہ سمجھا۔ الیاس عالم کے ساتھ آج معاذ اور شادماں بھی تھے۔ معاذ، معاذ کے کپڑے اور اس کے کھلونے سب سے مٹی لپٹی تھی اور اسے بڑا مزا آ رہا تھا۔ اسے دیکھ کر وہ آوازیں نکالتے ہوئے ہاتھ اٹھا کر ہمکنے لگا۔ وہ بھی بے ساختہ اسے لینے جھکا تھا کہ شادماں نے ٹوکا۔

''آپ کی شرٹ خراب ہو جائے گی، میں اسے نہلا کر چینج کر دیتی ہوں۔''

''مجھے بھی چینج ہی کرنا ہے۔'' اس نے معاذ کو اٹھا لیا۔'' یہ انجوائے کر رہا ہے تو کھیلنے دو ابھی۔'' اس



www.zemtime.com ZEMTime SINCE 2014

نے بیٹے کے مٹی سے آلودہ گال پر پیار کیا۔

"تم بچپن میں اس طرح کے کھیلوں سے یعنی مٹی کیچڑ سے دور بھاگتے تھے۔" الیاس عالم نے پودے کے سر پر قینچی چلاتے ہوئے کہا۔ بڑے نفاست پسند تھے تب بھی۔

زید نے ہنستے ہوئے ایک ہاتھ سے بیگ شادماں کی طرف بڑھایا اور معاذ کے ساتھ خود بھی گھاس پر بیٹھ گیا۔

"تو وہ کھیل اب کھیل لیتا ہوں اپنے بیٹے کے ساتھ، ہے نا بیٹا؟"

شادماں ان تینوں کو ہنستا کھلکھلاتا چھوڑ کر اندر چلی گئی۔ کچھ دیر بعد پانی چائے اور اسنیکس لے کر واپس آئی تو ساتھ میں اس کی گھر میں پہننے والی ٹی شرٹ بھی تھی۔

"چاچا جان! آپ بھی پہلے چائے پی لیں۔" اس نے ٹرے کین کی تپائی پر رکھتے ہوئے کہا۔

"اور آپ پہلے شرٹ چینج کر لیں۔" اس نے نیوی بلیو ٹی شرٹ اس کی طرف بڑھائی۔ سرمئی اور سفید دھاریوں والے شرٹ پر مٹی تو لگ چکی تھی لیکن زید نے کچھ کہے بنا شرٹ تبدیل کر لیا۔

"اپنے لیے چائے نہیں لائیں بیٹا؟" الیاس عالم نے ٹرے میں دو کپ دیکھ کر پوچھا۔

"سمیہ لا رہی ہے سب کی چائے، دیر نہ ہو اس لیے میں نے دو کپ ہی بنائی تھی۔" اس نے ایک کپ اٹھا کر انہیں دیا پھر دوسرا زید کو۔

"تم نے مدد کی تو دو گھنٹے کا کام ایک گھنٹے میں ہو گیا۔" کرسی پر بیٹھتے ہوئے انہوں نے تراشیدہ پودوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔ "ورنہ اس گھر میں تو یہ معاملہ ہے آپ جانیں اور آپ کے پودے!"

ان کی بات پر وہ مسکرائی۔

"میں یہ شرٹ رکھ کر آتی ہوں۔" وہ چلی گئی۔

زید معاذ کے ساتھ کھیلنے لگا تھا۔ کچھ دیر بعد دادو، سمیہ اور نسرین سب ان کے ساتھ شامل ہو گئیں۔

"شادماں کہاں رہ گئی؟" دادو نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں بلاتی ہوں۔" سمیہ اٹھنے لگی تھی زید کھڑا ہو گیا۔

"میں بھیجتا ہوں۔"

"ہاں جاؤ، تم لیٹ آئے آج تھکے ہو گے، آرام کرو۔" نسرین نے خوبرو بیٹے کی دل ہی دل میں نظر اتاری۔

وہ کمرے میں آیا تو شادماں غسل خانے میں تھی۔ دروازہ کھلا تھا اور بتی جل رہی تھی۔ اس نے اندر جھانکا۔ وہ واش بیسن پر جھکی اس کی شرٹ کے داغ رگڑ رہی تھی۔ سامنے ہی 'اسٹین ریموور' کی بوتل اور ڈٹرجنٹ کا ڈبا تھا۔ وہ اندر آیا۔

"یہ اتنا ضروری تو نہیں تھا۔" وہ چونک پر پلٹی۔

"فوراً دھو لو تو آسانی سے نکل جاتے ہیں۔" اس نے دونوں ہاتھ کی مٹھیوں میں دبے شرٹ کو رگڑتے ہوئے جواب دیا۔

"میری کس بات سے تمہیں لگا میں غصے والا یا شارٹ ٹیمپر ڈ شوہر ہوں؟" وہ اب اس کے پاس کھڑا تھا۔

"کک..... کسی بات سے نہیں۔" اس کے ہاتھوں کی رفتار کم ہو گئی اور وہ اسے ذرا سی خائف لگی۔

"اس پر داغ رہ بھی گئے تو زیادہ سے زیادہ یہ شرٹ ریجکٹ ہو جائے گی۔" وہ ایک دم سنجیدہ تھا۔

"تم سب کچھ چھوڑ کر یہاں اسے دھو رہی ہو، کیوں؟ اس لیے کہ یہ خراب ہو گئی تو میں غصہ کروں گا؟" اسے اس عجلت کی یہ ہی ایک وجہ سمجھ آئی۔

کہیں اس کے ذہن میں پرانی بات اچھل کر سامنے آئی تھی کہ کبھی شادماں کے والد کا تیز غصہ بہت مشہور تھا۔ اس کا چہرہ ایک دم بجھ گیا۔ اس کی کسی بات سے زید خفا نہ ہو وہ ہر قدم پر اس کا دھیان رکھتی تھی لیکن فی الوقت یہ وجہ نہیں تھی اور وہ اس قدر سنجیدہ یعنی غصہ تھا۔

"فوراً اس لیے دھو رہی ہوں کہ تازہ لگا داغ



www.zemtime.com

پرانے داغ کی نسبت جلدی نکل جاتا ہے اور۔"
ہاتھ روک کر سہمی سی آواز میں کہتے ہوئے وہ ایک دم رک گئی۔
"اور... ...؟" اس نے پوچھا اور وہ جز بز سی ہونٹ کاٹنے لگی۔
"کہو شادماں!" اب کے اس نے لہجے کو نرم کیا تھا۔
"مجھے یہ شرٹ اچھی لگتی ہے۔" رخ موڑ کر اس نے پھر رگڑنا شروع کیا۔ ایک 'اور' کا زبان سے پھسلنا اسے مشکل میں ڈال گیا تھا۔
زید کے مزاج کی کیفیت یکا یک بدل گئی۔ اس نے ٹی شرٹ کی آستین اوپر کرتے ہوئے شانے سے دھکا دے کر شادماں کو ایک طرف کیا اور اس کی جگہ خود سنبھال کر اس کے ہاتھ سے شرٹ لے لی۔ وہ مزید بوکھلائی سی اسے دیکھنے لگی۔
"یہ شرٹ ریجیکٹ نہ ہو، اب یہ ذمہ داری میری۔" وہ یوں شرٹ رگڑ رہا تھا جیسے دنیا کا سب سے اہم کام انجام دے رہا ہو۔
"تم جاؤ، امی دادو سب تمہارا ویٹ کر رہی ہیں۔" اس نے اپنے ہاتھ نلکے سے دور کیے۔
"لیکن پہلے ہاتھ دھولو۔" حیران سی شادماں نے جھجکتے ہوئے ہاتھ دھوئے اور باہر نکل گئی۔ زید کو اس کے تاثرات مزادے گئے تھے۔
"کیا میں نے شرٹ اچھی لگتی ہے کہہ کر غلطی کر دی؟" کمرے سے باہر نکلنے سے پہلے اس نے پلٹ کر غسل خانے کی سمت دیکھ کر سوچا۔
"نہیں تو!" اندر سے جواب بھی ڈرا سہما سا آیا۔
رات میں کھڑکی کے پردے والی سلاخ میں دھلی شرٹ ہینگر میں لٹکی تھی جس پر داغ کے ہلکے نشان اب بھی موجود تھے۔ سونے سے قبل شادماں نے دیکھا تھا وہ یوٹیوب پر مٹی کے داغ نکالنے والی ویڈیوز دیکھ رہا تھا۔ پہلی بار اس کے لب خود بخود مسکرانے لگے تھے۔

☆☆☆

گھر میں سمیہ کی شادی کی تیاریاں پورے عروج پر تھیں۔ آج چھٹی کا دن تھا تو معاذ کو دادا اور باپ کے پاس چھوڑ کر وہ شادماں کو بھی ساتھ لے گئی تھیں تاکہ وہ اپنی پسند سے خریداری کر سکے۔ شام میں وہ دن بھر کی تلاش اور خواری کے ثمرات سب کو دکھا رہی تھیں تب سمیہ نے اسے مخاطب کیا۔
"پتا ہے بھائی، بھابھی ساری لینے پر مان نہیں رہی تھیں کہ معاذ اور ساری دونوں کو وہ ایک ساتھ نہیں سنبھال سکتیں پھر جب امی نے کہا کہ آپ کو ساری پسند ہے تو وہ جھٹ مان گئیں لیکن اتنی دیر ہو گئی تھی کہ ہم ساری والی شاپ میں جا ہی نہیں سکے۔"
وہ سب ہنسنے لگے تھے اور زید نے اسے دیکھا۔ معاذ کو کھانا کھلاتے ہوئے اس نے بھی پل بھر کے لیے زید کی طرف نگاہ کی تھی۔ وہ بڑے دل نشیں انداز میں مسکرا رہا تھا۔ سب کی موجودگی میں ہوئی یہ بات تھی یا زید کی مسکراہٹ، اسے حیا آ گئی۔ اس کے متین سے چہرے پر ایسے تاثرات بڑے کم یاب تھے۔
"ویسے آپ کو اپنی پسند سے انہیں بھی دلوانا چاہیے۔"
"ہاں کسی دن شام میں لے جاؤں اسے شاپنگ کو، معاذ کی بھی باقی ہے وہ بھی کر لینا۔"
"میری ہو تو گئی ہے سب۔"
"شاپنگ کو کبھی نا نہیں کہتے۔" سمیہ نے بڑے ادب سے کہا۔
لیکن گھر کے کام شادی کے اضافی کام اور معاذ کے کاموں میں اسے پھر بازار جانے کا وقت ہی نہیں ملا۔ آخر ایک دن زید خود ہی اس کے لیے دو ساریاں لے آیا تھا۔ شادی سے ہفتہ بھر پہلے معاذ کی سالگرہ آ گئی۔ گھر میں سالگرہ دھوم دھام سے منانے کا رواج نہیں تھا۔ کہیں باہر ریستوراں میں ڈنر کر لیا یا گھر میں ہی کھانے کا اہتمام بس۔ تحائف سب لازمی دیتے ہیں۔ اس دفعہ ایک تو معاذ کی پہلی سالگرہ تھی دوسرے شادماں یا دوسری اور سوتیلی ماں


www.zemtime.com

کے لیے سب کے دل میں دبے چھپے جو تحفظات تھے وہ ان مہینوں میں غلط ثابت ہوگئے تھے سو خوشی دگنی تھی، اس لیے ایک چھوٹی سی تقریب پر متفق ہوگئے تھے۔

شادماں کے میکے کے علاوہ شہر میں رہنے والے وادی کے دیگر قریبی رشتے داروں کو بھی مدعو کیا گیا تھا۔ الیاس عالم کا خیال تھا کہ معاذ کے نانا نانی کو بھی دعوت دی جائے مگر نسرین اور زید نے منع کر دیا، وجہ گو دونوں کی مختلف تھی۔ زید کا خیال تھا کہ فرح کی برسی بھی آگے پیچھے ہی ہوتی ہے تو یہ وقت ان کے لیے اداسی اور سوگواری کا ہوگا، ایسے میں جشن کی دعوت مناسب نہیں جب کہ نسرین کا خیال تھا انہوں نے اب تک ایک فون نہیں کیا نہ بعد میں کبھی معاذ کو دیکھنے ملنے آئے تو اب انہیں معاذ کے کسی معاملے میں شرکت کا حق نہیں تھا۔

معاذ کو تیار کر کے اسے دادا دادی کے پاس چھوڑ کر وہ خود تیار ہونے کمرے میں آئی تو زید کپڑے تبدیل کر چکا تھا اس نے وہی سرمئی اور سفید دھاریوں والی شرٹ پہنی تھی۔

"یہ کیوں پہن لی؟ اس پر ہلکے نشان اب بھی ہیں۔"

"بتاؤ کہاں؟" وہ اس کے سامنے آیا۔ شادماں نے جھک کر جیب کے قریب اور پھر شانے پر دیکھا۔ مٹی کے ہلکے سے داغ غائب تھے۔

"یہ کیسے؟" اس نے تعجب سے زیر لب مسکراتے زید پر ایک نظر ڈالی اور پھر بے ساختہ ہاتھ سے داغ ڈھونڈنے لگی۔

"اب مجھے ہر قسم کے داغ نکالنے کے اتنے نسخے اور ٹوٹکے یاد ہوگئے ہیں کہ میں ایک کتاب لکھ سکتا ہوں۔" وہ اس کی حیرت کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"رگڑ رگڑ کر آپ کی انگلیاں....." اس نے شرٹ پر حرکت کرتی اپنی انگلیاں روک کر اس کے ہاتھ کی ہتھیلی کی طرف دیکھا۔

"کہا نا میں ایکسپرٹ ہوگیا ہوں، بنا رگڑے اور محنت کیے بھی داغ نکلتے ہیں۔" زید نے جیب کے قریب رکھے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا۔

"میری ذات یا کسی بات میں دلچسپی ظاہر کرتی تمہاری وہ پہلی بات تھی اس لیے میرے لیے بڑی اہم بھی۔" اس کی نظر اپنی ہتھیلی کے اوپر دھری زید کی ہتھیلی پر جمی تھی۔

"ایسا نہیں ہے کہ مجھے آپ میں دلچسپی نہیں۔" اس کے لیے یہ کہنا آسان نہیں تھا مگر جب ٹھان لیا تھا تو وہ ہمت کرنا بھی سیکھ رہی تھی۔

"مجھے پتا بھی تو چلے، میری اس شرٹ کے علاوہ تمہیں اور کیا کیا اچھا لگتا ہے۔" شادماں کو دیر سے سمجھ میں آیا اس نے اس کا ہاتھ کیوں قید کیا تھا۔ اب ہاتھ کھینچ کر بات بنانا مشکل تھا۔

"مجھے آپ کی کوئی بات یا کوئی چیز بری نہیں لگتی۔" یہ سچ تھا۔

وہ خوش مزاج اور اچھی عادت و اطوار کا مالک تھا، اپنے گھر والوں سے قریب تھا۔ سگریٹ تو دور وہ چائے یا کسی اور چیز کا عادی نہیں تھا۔ اس کا حلقہ احباب بھی شاید محدود تھا کہ زیادہ فون پر مصروف نہیں رہتا تھا، جب ہوتا بھی تو اکثر کالج کے ساتھی پروفیسر یا لیکچرر سے بات کرتا تھا ورنہ اس نے اپنے کالج میں دیکھا اور سنا تھا پروفیسر اور لیکچرر کس طرح صنف مخالف کے "ڈاؤٹ اور کانسیپٹ کلیئر" کرنے کے لیے فون پر گھنٹوں گفتگو کرتے تھے۔

"تو اسے آسان لفظوں میں کہو۔" زید نے کہا اور اس کا متبسم لہجہ اسے جتا گیا تھا وہ کیا سننا چاہتا ہے۔ یہ لمحات اس کے لیے بھی آگاہی کے تھے ورنہ وہ اسے اچھا لگتا ہے یا برا اس نے ابھی تک یہ بھی نہیں سوچا تھا۔

"آپ اچھے ہیں۔" اس کے ہاتھ کے نیچے سے اس نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔

"وہ میں جانتا ہوں۔" جب وہ بولنے پر آمادہ تھی تو وہ کیوں موقع گنواتا۔ "تمہیں کیسا لگتا ہوں یہ



www.zemtime.com

بتاؤ۔"

"سب آپ کا پوچھ رہے ہیں بھائی بھابھی۔"

سمیہ راہداری سے اونچا بولتی آرہی تھی۔ شادماں فوراً الماری کی طرف چلی گئی۔ اس نے ابھی کپڑے بھی نہیں نکالے تھے۔

"آپ تیار نہیں ہوئیں ابھی تک؟" اس نے حیرت سے اس الماری میں گھسے دیکھا۔

"میں ریڈی ہوں چلو، شادماں کو آرام سے تیار ہونے دو۔" زید اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر لے گیا۔

کچھ دیر کپڑے ادھر ادھر کرنے کے بعد آخر اس نے زید کی لائی دوسری ساری نکالی جو قدرے سادہ تھی۔ آج وہ کم وقت میں بھی اہتمام سے تیار ہوئی تھی۔ بائل گرین بنارسی سلک ساری جس پر گولڈن بارڈر تھی، اس ساری میں وہ آج خود کو بھی پیاری لگ رہی تھی۔

ہال میں آتے ہی اس کی نظر اس انسان پر پڑی جسے اس کے اس اہتمام اور چہرے کی مسرت سے بیر تھا۔ اس کا دل بیٹھنے لگا۔

"میں کیسے بھول گئی تھی؟" اسے حیرت ہوئی۔ تیار ہوتے ہوئے اسے ایک بار خیال نہیں آیا وہ بھی یہاں موجود ہے۔ پہلی بار اس کے ذہن سے یہ محو ہوا تھا۔ اس نے صرف اپنے بارے میں سوچا تھا، اپنے بارے میں نہیں اس نے زید کو سوچا تھا اور اس کے لیے اہتمام کرتے ہوئے وہ خوش تھی۔

زید اسے دیکھ کر کھل اٹھا تھا۔ وہ اتنا تو جان گیا تھا کہ شادماں کی اپنی رفتار ہے جو اس کے لیے بہت دھیمی تھی لیکن وہ اس سست روی پر بھی خوش تھا کہ وہ اس کی طرف بڑھ تو رہی تھی۔ مہمانوں کے بیچ میں انہوں نے معاذ کو گود میں لے کر کیک کاٹا تو سب کی تالیوں، مسکراہٹوں اور قہقہوں کے بیچ بھی اسے ان دو آنکھوں کی ناگواری بری طرح خوف زدہ کر رہی تھی۔

معاذ کو نیند آنے لگی تھی۔ وہ اسے سلانے کے لیے کمرے میں لے گئی۔ مہمان جانے لگے تو زید اسے بلانے کمرے میں آیا۔ وہ آئینے کے سامنے کھڑی جاند بالیاں اتار رہی تھی۔

"ابھی میں نے تمہیں جی بھر کے دیکھا کہاں ہے۔" وہ اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ اس نے بالی یونہی چھوڑ کر ہاتھ نیچے کر لیے۔ زید نے دونوں ہاتھ اس کے بازوؤں پر رکھے اور آئینے میں اس کے عکس کو دیکھ کر گویا ہوا۔

"میں ساری رات بھی تمہیں یوں تک سکتا ہوں لیکن مہمان اتنا انتظار نہیں کر سکتے۔"

شادماں نے سر اٹھا کر اس کے عکس کو دیکھا اور پھر شرما کر سر جھکا لیا۔ اب ان باتوں پر اس کے چہرے پر ایک منفرد سی روشنی جھلملانے لگتی تھی۔

"جانے والے تمہارا پوچھ رہے ہیں، چلو۔" وہ اس کا ہاتھ تھامے باہر نکل گیا۔

ان کے باہر جاتے ہی کوئی اس کمرے میں داخل ہو کر آسمانی لفافہ اس کی میز پر دھری کتاب پر رکھ گیا تھا۔

ابھی ان لفافوں کے منظر عام پر آنے کا وقت نہیں ہوا تھا۔ اگلے دن کالج سے آنے کے بعد زید نے فون پر بات کرتے ہوئے، نیچے دیکھے بنا اس کتاب پر دوسری کتاب رکھی اور دونوں کو دیوار سے لگے انبار کے اوپر رکھ دیا تھا۔ آسمانی لفافہ دونوں کتابوں کے درمیان دبارہ گیا تھا۔

☆☆☆

کافی دن بعد اسے یونیورسٹی سے آیا ایک اہم سرکیولر نہیں مل رہا تھا۔ وہ ڈھونڈنے لگا تو شادماں نے اپنی خدمات پیش کی تھیں کہ میں کچھ مدد کروں لیکن اس نے منع کر دیا تھا۔ پلنگ پر معاذ کی مستیاں جاری تھیں۔ وہ بھی معاذ کے ساتھ ہنستی کھلکھلاتی اسے اچھی لگ رہی تھی۔ گھر میں کسی کو اس کی میز اور وہاں کی چیزوں کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں تھی۔ یہ اصول شادماں کے لیے بھی تھا۔ اس نے کام والی ماسی کو خود سمجھایا اور عملاً کر کے دکھایا تھا کہ وہاں سے گرد و غبار کیسے صاف کرنا ہے۔ اس کے اور ماسی کے

علاوہ یوں ادھر دیکھا بھی نہیں تھا۔

دراز میں اے سرکیولر تو مل گیا ساتھ ہی آسمانی رنگ کا مہین سا لفافہ بھی ہاتھ لگا جو وہ پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ اس پر اردو میں اس کا نام لکھا تھا۔ گھر کا پتا بھی درج نہیں تھا۔ اسے تعجب ہوا اور بارے تجسس کے اس کے لفافہ کھولا۔ اندر کاپی سے کھینچ کر نکالا گیا کاغذ تھا۔ جس پر دو سطریں لکھی تھیں۔

''تم شادماں کے بارے میں کچھ نہیں جانتے، اس کی دماغی حالت ٹھیک نہیں ہے۔''

اس نے تین بار وہ دو سطریں پڑھیں اور سامنے دیکھا۔ شادماں گھٹنوں سے پیر موڑ کے لیٹی تھی اور معاذ اس کے پیروں پر تھا۔ وہ اس کے ہاتھ پکڑے ہوئے اپنے پیر اوپر نیچے کر رہی تھی اور معاذ کھلکھلا رہا تھا۔ یہی کھیل وہ بھی اس کے ساتھ کرتا تھا۔ اس کا بیٹا ایک دماغی طور پر متزلزل انسان کے حوالے ہے، یہ خیال اس وقت بھی منفی طور پر اتنا زور آور تھا کہ وہ ایک دم کھڑا ہو گیا۔

''اب آپ کو نیند آرہی ہوگی۔'' شادماں نے اسے پیروں سے اتارا اور خود بھی اٹھ کر بیٹھی۔

''اچھے بچوں کی طرح سو جائیں اب۔'' اس نے اس کے گالوں پر دو تین بوسے دے کر زانوں پر لٹایا اور تھپکنے لگی۔ اسے اسی طرح سونے کی عادت پڑ چکی تھی۔ اس کی ساری توجہ معاذ پر تھی۔ دوپٹا بستر پر پڑا تھا، کھیل کود میں بال بکھر گئے تھے۔ وہ اسے تھپکتے ہوئے بہت دھیمی آواز میں کچھ گنگنا رہی تھی۔ اس کی گنگناہٹ واضح نہیں تھی۔

زمین پر ممتا سے زیادہ خالص، بے ریا اور پاکیزہ کوئی اور جذبہ نہیں۔ عورت جب اس احساس سے مغلوب بچے کو نہارتی ہے تو دنیا میں اس کو مات دینے والی کوئی دوسری طاقت نہیں۔ اس کے چہرے پر ایسی آسودگی پھیلی تھی جیسے وہ روح کو سکون پہنچانے والے کسی منظر کو دیکھ رہی ہو اور یہ منظر زید کے اندر ذرا دیر پہلے پھیلی بے چینی کو زائل کر گیا۔ وہ واپس کرسی پر بیٹھ گیا۔

''یہ کیا ہے؟'' اس نے میز پر دھرے کاغذ کو دیکھا۔ ''کیوں ہے؟ کس نے لکھا ہے؟ کمرے میں دراز تک کیسے اور کب پہنچا؟'' سوال ہی سوال تھے۔

''کیا ابھی شادماں سے پوچھوں؟'' اس نے ایک بار پھر پلنگ کی طرف دیکھا۔

''کیا شادماں کی دماغی حالت ٹھیک نہیں ہے؟ وہ اسے اتنے دن سے دیکھ رہا تھا اور کوئی ایک بات، کوئی ایک لمحہ ایسا قابل گرفت نہیں تھا جو اسے شک میں مبتلا کرتا لیکن یہ کوئی معمولی بات بھی نہیں تھی۔ جانے کتنی دیر وہ مختلف سوچوں میں گھرا رہا۔ معاذ سو گیا تھا۔ اسے جھولے میں ڈالنے کے بعد اس نے اسے یوں غائب دماغی سے پلنگ پر نگاہ جمائے ساکت و جامد بیٹھے دیکھا تو آواز دی۔

''زید!'' وہ چونکا۔

''ہمم۔'' وہ گہری نظروں سے اسے دیکھنے لگا تو اس نے حسب عادت اپنی نظروں کا زاویہ بدل لیا۔

''ہاں، یہ بات تھی شادماں اس کی سمت دیکھنے اور آنکھ ملانے سے کترائی تھی۔'' اس نے سوچا۔

''آپ کا کام باقی ہے تو چائے لاؤں؟'' وہ دیر تک میز پر بیٹھا رہتا تو اکثر اسے چائے کی طلب ہوتی تھی۔

''نہیں، تم سو جاؤ۔ میں کچھ دیر ہال میں ٹی وی دیکھوں گا۔''

یہ پہلی بار ہو رہا تھا کہ وہ سونے کے وقت ٹی وی دیکھنے ہال میں جا رہا تھا۔ وہ سر ہلا کر بستر ٹھیک کرنے لگی۔ زید نے ایک بار پھر بڑے غور سے اس عجیب و غریب عبارت کو دیکھا۔ جو جانے تنبیہہ تھی، اطلاع یا دھمکی، خیر خواہی یا کوئی سازش، وہ سمجھنے سے قاصر تھا۔ اس نے فتنہ نما صفحہ لفافے میں ڈال کر واپس دراز کے اندر رکھا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔ گھر میں سب اپنے کمروں میں سو چکے تھے۔

اس نے گہری سانسیں لے کر خود کو پرسکون کیا اور خیالات کی چھانٹی شروع کی۔

یہ کب اس کے کمرے میں پہنچا اس کا جواب



www.zemtime.com

اسے صبح ماسی دے سکتی تھی۔ دراز میں اس نے نہیں رکھا تھا مطلب کسی اور نے رکھا تھا۔ لکھنے والے کا مقصد ہوگا کہ وہ لفافہ دیکھ لے اس لیے اس نے دراز نہیں بلکہ میز پر رکھا ہوگا۔ کبھی کبھار فرش پر گرنی چیزیں یا کاغذات صفائی کے دوران ماسی ہی اٹھا کر میز پر رکھتی تھی۔ چھوٹی یا کم ہونے جیسی چیز ہوتی تو اسے دراز میں رکھنے کی ہدایت تھی۔ ماسی کا کیا جواب ہوتا اس کے بعد گھر میں کسی اور سے پوچھے یا نہ پوچھے والا مسئلہ تھا۔ شادی کی گہما گہمی میں کمرے اور میز تک پہنچنا عام دنوں کے مقابلے میں زیادہ آسان تھا۔ قوی امکان تھا کہ یہ تب ہی کمرے میں رکھا گیا ہو۔ مطلب وہ جو بھی ہے آغاز سے ان کے درمیان غلط فہمی یا دراڑ ڈالنا چاہتا تھا۔

لیکن اسے خبردار کرنے کا یہ طریقہ غیر مناسب تو تھا ہی اس بندے کو بھی مشکوک کر کر رہا تھا۔ وہ خود زید سے مل کر بات کر سکتا تھا اور یہ طریقہ سب سے معتبر تھا۔ اگر خود کو مخفی رکھنا تھا تب بھی اسے ایک گم نام فون کال کی جا سکتی تھی۔ کالج یا گھر کے پتے پر اس کے نام باقاعدہ خط لکھا جا سکتا تھا۔ خفیہ پیغام رسانی کا یہ راستہ سب سے پہلے اس بہی خواہ کی نیت پر سوال اٹھا رہا تھا۔ دوسرے اس سے یہ بھی ظاہر تھا کہ وہ کوئی اناڑی ہے، جلد باز یا اس کے وسائل محدود ہیں یا یہ موقع ملنے پر فوری طور پر کیا گیا کام تھا، پہلے سے سوچا سمجھا نہیں تھا..... لیکن وہ کاپی کا صفحہ اور آسمانی لفافہ...؟ صفحہ تو شاید سمیہ کے کمرے سے لیا جا سکتا تھا لیکن ایسا سستا اور معمولی سا لفافہ اس کے گھر میں نہیں تھا یعنی جو بھی تھا وہ یہ اپنے ساتھ لے کر آیا تھا۔

کمرے میں دوسری جگہیں چھوڑ کر وہ میز پر یا دراز میں رکھا گیا تھا یعنی وہ جانتا تھا کہ وہ میز پر زیادہ وقت بتاتا ہے، میز کی چیزوں پر اس کا پورا دھیان ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی اور میز کو ہاتھ نہیں لگاتا ہے۔ تو کیا یہ گھر کا کوئی ملازم تھا یا باہر کے اس انسان کے ساتھ کوئی ملازم شامل تھا یا یہ کسی قریبی عزیز یا رشتے دار کا کام تھا جو سب جانتا تھا۔

اگر یہ اس نے شادی والے دن یا اسی شب دیکھا ہوتا تو؟ تب یہ شناخت اور سلجھا سا ردعمل ناممکن تھا۔ اس وقت مہمانوں اور گھر والوں کا خیال کرتے ہوئے وہ اسے خود تک ہی رکھتا لیکن اس کا رویہ اور شادماں کے بارے میں اس کی رائے مکمل منفی نہ سہی لیکن مشکوک تو ہو ہی جانی تھی۔ ممکن تھا وہ پنی مون کے دوران اس کا رویہ اور اس کا برتاؤ اس اطلاع کی روشنی میں دیکھتا اور وہ سب اسے مرضی کے خلاف ہوئی شادی، ناپسندیدگی، مجبوری محسوس ہوتا۔ پھر معمولی اور چھوٹی موٹی باریکیوں پر غور کرتے ہوئے اسے واقعی اس کی دماغی حالت پر شبہ ہونے لگتا اور وہ معاذ کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کرتا، گھر والے بھی اس بات کو محسوس کرتے، مختصراً شادی کرائسس میں آسکتی تھی۔

ان سب میں اس کی بھلائی سے زیادہ شادماں کا نقصان تھا اور اسی نکتے کا اس کا ذہن بھی قائل ہو رہا تھا کہ یہ کسی نے شادماں کو نقصان پہنچانے کے لیے کیا ہے اور اس کی وجہ..... بدلہ، حسد، نفرت، انتقام۔ یہ ساری وجوہات سیدھا عاقب کی طرف اشارہ تھیں مگر وہ اس کے گھر کبھی نہیں آیا تھا تو کیا خاندان کا کوئی فرد اس کے ساتھ شامل تھا، یا یہ عاقب نہیں خاندان میں ہی شادماں کا کوئی اور دشمن تھا۔

کئی گھنٹے بعد جب وہ کمرے میں آیا تو کئی فیصلے کر چکا تھا۔ اسے اس کا ذکر شادماں یا پاپا کسی سے نہیں کرنا تھا، وہ خود اس کی تہہ تک پہنچنا چاہتا تھا اور اس کے کمرے میں لفافہ رکھنے والا انسان اس کا خیر خواہ نہیں بلکہ شادماں کا دشمن تھا۔

اگلے دن اس نے ماسی کو بلا کر پوچھا کہ اس کا ایک اہم اور ضروری آسمانی لفافہ نہیں مل رہا ہے اس نے کہیں دیکھا کیا۔ وہ گھبرا ہی گئی۔

"بھیا! ہم تو سب اٹھا کے میز ہر ہی دھر دیتے ہیں۔ وہ بھی دراز میں ڈال دیا تھا۔"

"اچھا کب کی بات ہے؟"

"ایک تو ابھی بابا کی بڈ ڈے والے دن دیکھا



www.zemtime.com

تھا یہاں۔" اس نے میز کے کنارے رکھی کتاب کی سمت اشارہ کیا اور زید چونکا۔ مطلب ایک اور بھی تھا۔

"اور ایک ٹیبل کے نیچے سے اٹھا کے رکھا تھا شاید آپ کی شادی کے دوسرے دن..... ہاں اگلے دن کی ہی بات ہے ہم نے سوچا تھا، ہم سب جگہ سے کچرا نکالنے والے نہ ہوتے اور ہماری تیز نظر ٹیبل کے نیچے نہیں جاتی تو بے چاری نئی دلہن کو ڈانٹ پڑ جاتی تھی۔"

"مطلب وہ یہیں ہیں، یہ ہی کنفرم کرنا تھا، میں ڈھونڈ لوں گا اب۔" وہ سر ہلاتی واپس چلی گئی اور زید ایک ایک کتاب ہٹا کر اور ان کے پنوں کے بیچ دوسرا آسمانی لفافہ ڈھونڈنے لگا۔

کچھ دیر کی تلاش کے بعد وہ دو کتابوں کے درمیان مل گیا جنہیں اس نے بہت دن سے ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ ویسا ہی اردو میں لکھا اس کا نام اور اندر کاپی کا صفحہ۔

شادماں کی معصومیت سے دھوکا نہ کھانا، وہ بھروسے کے لائق نہیں۔

پہلے شاید ایک باپ مخاطب تھا اور اولاد کے لیے اس کی احتیاط اور فکر کو نشانہ بنایا تھا۔ اس کوشش کی ناکامی کے بعد اب ایک شوہر کی غیرت کو للکارا گیا تھا اور شادماں کا کردار نشانے پر تھا۔

"اس کا مطلب معاذ کی سالگرہ میں جو افراد موجود تھے یہ ان میں سے کوئی ہے۔" اس نے لفافہ دراز میں ڈال کر سوچا۔

اب وہ اس دن موجود ایک ایک فرد کی ذہنی فہرست بنا رہا تھا اس کے بعد اس نے ممکنہ مجرم اس فہرست سے الگ کیے۔ شادماں کی پھوپھو کا بیٹا ذیشان جو ادبر چلاتا تھا، اس کی امی اور دادی ہمیشہ اس کے ساتھ آتی اور جاتی تھیں۔ چوں کہ وہ گھر کا فرد تھا تو وہ بھی سب کے ساتھ اتنا وقت گھر میں ہی رہتا تھا۔

اپنے طور پر اس کے تفتیش شروع کر دی تھی۔

وہ اب کبھی ارادتاً اور کبھی غیر ارادتاً شادماں کا بغور مشاہدہ کرنے لگا تھا۔ اور اس دوران اسے احساس ہوا کہ شادماں نہ صرف اسے اچھی لگتی ہے بلکہ وہ اس سے محبت بھی کرنے لگا ہے۔

☆☆☆

سمیہ کی شادی کے ہنگاموں میں اسے میز پر پھر ایک آسمانی لفافہ ملا اور اسے لگا وہ جو بھی ہے ان دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ بنا کسی مسئلے کے خوش دیکھ کر برداشت نہیں کر پا رہا ہے۔ اسے ان لفافوں کی وجہ کسی کا حسد ہی لگی۔

اس بار لکھا تھا۔ "تم اس کے جال میں پھنستے جا رہے ہو، پچھتاؤ گے۔"

اس نے اسے بھی باقی لفافوں کے ساتھ دراز میں ڈال دیا۔ اب وہ ان کو لے کر پہلے کی تناؤ میں تھا نہ زیادہ فکر مند تھا۔ پہلا لفافہ جتنا اہم لگا تھا اب وہ اہمیت ختم ہوتی جا رہی تھی۔

شادی کے دوران وہ اپنی تیار کردہ فہرست والوں پر نظر رکھے تھا۔ اس نے سوچا کمرے کے باہر کی راہداری میں کسی کو بتائے بنا خفیہ کیمرہ ہی لگوا لے تاکہ مجرم پکڑا جا سکے لیکن یہ بات الیاس عالم سے چھپ نہیں سکتی تھی اور وہ انہیں فی الحال اس معاملے میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا۔

شادماں نے اس کی لائی سرخ ساری بھی سنبھالی اور معاذ کو بھی سنبھالا تھا۔ شادی میں۔

☆☆☆

موسم سرما کی آمد کے آثار تھے اور نسرین کی ہدایت پر وہ الماری سے معاذ اور زید کے سرد کپڑے نکال رہی تھی۔ چیزیں ادھر ادھر کرتے ہوئے اس کے ہاتھ فرح اور اس کی شادی کا البم لگ گیا۔ زید نے اپنا کام سمیٹ کر لیپ ٹاپ بند کر کے ایک طرف رکھا اور اسے دیکھا۔ وہ الماری کے پٹ کھولے فرش بیٹھی تھی۔ وہ اٹھ کر اس کے پاس آیا اور کھڑے کھڑے ہی جھانک کر اس کی محویت کا مرکز دیکھا۔

www.zemtime.com

"یہ کہاں سے ملا تمہیں؟" وہ البم دیکھ کر چونکا۔ نکاح سے قبل نسرین اس کے کمرے سے اس قسم کی ساری چیزیں لے گئی تھیں۔

"آں!" اس نے سر اٹھایا۔ وہ اس قدر گم تھی کہ اس کا سوال فوراً سمجھ نہ سکی۔

"یہیں تھا۔" اس نے نچلی دراز کی طرف اشارہ کیا۔

"میں نے اب غور کیا فرح غیر معمولی حسن رکھتی تھی اور معاذ کی مسکراہٹ بالکل اس جیسی ہے۔"

"اچھا۔ میں نے کبھی غور نہیں کیا۔" اسے معاذ اور فرح کے مماثل تبسم پر حیرت ہوئی۔

"لاؤ اسے ایسی جگہ رکھ دوں کہ پھر ملے نہیں۔" اس نے ہاتھ بڑھایا۔

"کیوں؟" اس نے حیرت سے کہا۔

"ہم دونوں تو روز یہ تصویریں دیکھنا نہیں چاہتے پھر کیوں ایسی جگہ رکھیں کہ بار بار نظر آتا رہے۔"

"آپ کا دل نہیں کرتا کبھی دیکھنے کا؟" وہ اب بھی تصویر ہی دیکھ رہی تھی۔

"نہیں۔" یہ سچ تھا۔ اس کے دل میں فرح کے لیے ہوک اٹھتی تھی نہ دل دیکھنے کے لیے تڑپتا تھا۔

اس نے تعجب سے پل بھر کے لیے اسے دیکھا پھر نظر سابقہ جگہ ٹکا دی۔ وہ بھی کم صورت یا بدصورت نہیں تھی لیکن فرح میں کچھ خاص تھا۔

"اتنی پیاری فرح کی یاد نہیں آتی آپ کو تو پھر می..." شدید حیرانی میں الفاظ پھسلے تھے اور احساس ہوتے ہی گم ہو گئے۔

"یاد کا تعلق حسن سے نہیں دل سے ہوتا ہے۔" اس نے سینے پر ہاتھ رکھا۔ "جو یہاں نقش نہیں ہوتا وہ یاد بھی نہیں رہتا۔ ہمیں اتنا وقت ہی نہیں ملا کہ دلوں کا تعلق قائم ہو پاتا۔" اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"امی کو شاید موو ہی یاد تھی، البم کا انہیں خیال ہی نہیں، لاؤ کہیں رکھ دوں اسے۔"

"نہیں۔" اس نے البم دراز میں ڈالا اور بند کر کے کھڑی ہو گئی۔

"ہمیں نہ سہی مگر معاذ کو تو یہ صورت یاد ہونا چاہیے، ہمیں اسے اس سے متعارف کرانا ہوگا، ابھی نہیں بعد میں صحیح وقت پر، اس لیے میرے پاس رہنے دیں۔" وہ جانے لگی تھی کہ زید نے سامنے آ کر راستہ روکا۔ اسے اس لمحے شادماں پر بڑا پیار آیا تھا اور اس نے عملی اظہار ضروری سمجھا۔

"ایسے بے ساختہ اور سچے لمحے میری زندگی میں پہلے نہیں آئے تھے جو دلوں کو جوڑتے ہیں۔" اس نے سرخ اور گڑبڑائی سی شادماں سے کہا جس کا دل اس بات کی صداقت کی گواہی دے رہا تھا۔

☆☆☆

ایک دن اچانک اسے فرح کی امی کا فون آیا کہ وہ معاذ کو دیکھنا اور اس سے ملنا چاہتی ہیں۔ اس نے کہہ دیا وہ جب چاہیں آ کر اس سے مل سکتی ہیں۔ جب یہ ہی بات گھر میں کہی تو الیاس عالم اور شادماں کے علاوہ کسی کو پسند نہیں آئی۔ سب سے زیادہ غصہ نسرین کا تھا۔

"اب کیسے یاد آ گئی؟ اچھا ہے یہ جب مرضی ہوگی منہ موڑ لیں گے اور جب موڈ بن گیا آ دھمکیں گے۔"

"وہ ان کا نواسا ہے ہم انہیں روک نہیں سکتے۔" الیاس عالم نے انہیں ٹھنڈا کرنا چاہا۔

"پیدا ہوا جب سے نواسا ہی ہے، کیسے دھتکار دیا تھا بھول گئے آپ؟"

"بیگم! اس وقت ان کا غم تازہ تھا، بیٹی کی وفات کا صدمہ ہی اتنا شدید تھا۔"

"مجھے یہ ٹھیک نہیں لگ رہا بس۔"

"ملنے دیں چاچی۔" شادماں نے کہا۔ "وہ تنہا ہیں، اولاد بھی کوئی نہیں، ایک معاذ ہی ہے ان کے لیے اور پھر جذبات اور حالات ہمیشہ ایک سے تو نہیں رہتے۔"

لو ایک اور ان کی طرف دار۔" انہوں نے سر



www.zemtime.com

تھام لیا۔"

"انہیں آنے دو ملنے دو بس تم کچھ نہ کہنا۔ ان کا رویہ دیکھ کر آگے کیا کرنا ہے طے کریں گے۔" الیاس عالم نے انہیں مشورہ اور تسلی دی۔

اگلے دن شام میں زید کی موجودگی میں فرح کی امی بنا پیشگی اطلاع کے چلی آئیں۔ اس وقت ان تینوں کے علاوہ صرف دادو گھر میں تھیں۔ وہ ابھی ابھی مسلا ہوا کیلا اپنے ہاتھوں سے کھا کر فارغ ہوا تھا اور اب اپنی واکر میں ادھر ادھر گھوم رہا تھا۔ کھانے کی کوشش میں کیلا منہ میں تو کم ہی گیا تھا زیادہ ہاتھ، چہرے اور کپڑوں پر لگا تھا۔ شادماں باورچی خانے میں تھی۔ وہاں سے فارغ ہو کر اسے سیدھا غسل خانے نہانے لے جانا تھا۔

انہیں معاذ کو دیکھ کر ہی رونا آ گیا، کس حال میں تھا ان کی لاڈلی کا شہزادہ۔ انہوں نے اسے واکر سے نکال کر گلے لگایا۔ تشو سے اس کا منہ صاف کیا۔ اجنبی چہرہ اور گود معاذ کو بے آرام کرتے تھے۔ اس وقت بھی اس نے بسورنا شروع کر دیا۔ وہ اس طرح اسے بھینچے تھیں کہ دادو اور زید کو اسے ان کی گود سے لینا مناسب نہیں لگا۔ رہائی نہ پا کر معاذ نے رونا شروع کر دیا۔

"آ گئی آ گئی مما....." اس کی آواز سن کر شادماں اندر سے کہتے ہوئے ہال میں آئی اور ٹھٹک کر رک گئی۔

فرح کی امی آواز پر پیچھے پلٹیں۔ اس کا حلیہ نفیس تھا، استری شدہ نیا نیا سا گلابی لباس، سلیقے سے جمے اور چٹیا میں گندھے بال، شفاف چہرہ، آنکھوں میں کاجل، ہاتھ میں کنگن۔ انہیں دیکھ کر اس کا دلکش تبسم دم توڑ گیا تھا۔ ان کے دل پر گھونسہ پڑا تھا۔ پل بھر کو انہیں لگا وہاں فرح کھڑی ہے لیکن اگلے پل حقیقت ان کے اندر تک بھر گئی۔ شادماں نے انہیں سلام کیا اور آگے آ کر معاذ کو ان کی گود سے لیا۔

"میں اس کا منہ دھلا کر لاتی ہوں۔"

"فرح ہوتی تو اس کا بیٹا بھی اس حال میں نہیں ہوتا۔" ان کا جتاتا تلخ لہجہ سنتے ہی کمرے میں جا رہی شادماں ایک لمحے کو تھم گئی۔

اس سے پہلے اس قسم کی بات یا مواز نہ کسی نے نہیں کیا تھا۔ ابھی قدم اٹھایا ہی تھا کہ پاس کھڑے زید نے اس کا بازو پکڑ کر روکا۔

"آنٹی! آپ اس گھر میں جب آنا چاہیں آ سکتی ہیں، کسی کو اعتراض ہے نہ کوئی بندش ہے لیکن ایک بات قبول کر لیں، اب ہمیشہ کے لیے معاذ کی ماں شادماں ہے، ایسا کچھ نہیں ہے جو فرح کر سکتی تھی اور شادماں نہیں کرتی ہے۔"

بے اختیار امڈے آنسو شادماں کو حیران کر گئے۔ اسے دونوں باتوں کا اندازہ نہیں تھا کہ معاذ اور اس کے رشتے پر اٹھی انگلی اسے اس قدر دکھ دے گی اور ان کے رشتے کا اعتراف اور اقرار اس قدر دل گداز کرے گا۔ زید نے بات مکمل کر کے اسے دیکھا، اس کے آنسو گر رہے تھے۔ اس نے آہستہ سے اس کا بازو آزاد کیا۔ شادماں نے اس سے نظر ہٹائی اور آگے بڑھ گئی۔

فرح کی امی نے آنسو صاف کیے۔ انہیں خود اپنی کیفیت سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

"آپ بیٹھیں تو۔" دادو نے ماحول کا بھاری پن دور کرنے کے لیے ان سے کہا۔

وہ معاذ کو تیار کر کے باہر آئی تب تک نسرین اور الیاس عالم بھی آ گئے تھے۔ ماحول میں تناؤ تھا جو الیاس عالم اور زید ہلکا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ فرح کے والد نہیں آئے تھے اس بات پر نسرین اور چراغ پا تھیں۔ وہ جانے لگیں تو زید اور الیاس عالم انہیں گیٹ تک چھوڑنے گئے اور نسرین ان کی ان حرکتوں پر بل کھا رہی تھیں۔

ان کے جاتے ہی دادی، خالدہ اور بھابھی، ذیشان کے ساتھ آ گئیں۔ پھر بڑی دیر تک ان کی شقی القلبی اور اب استحقاق جتانے والا 'غلط' رویہ موضوع بحث رہا۔ خالدہ اس معاملے میں نسرین کی ہم خیال تھیں۔ وہ چپ چاپ سب کی سنتی رہی، کہا کچھ



www.zemtime.com

نہیں۔اس کا ذہن اب ان سے ہٹ کر کہیں اور الجھا تھا۔

غیر متوقع مہمانوں کی آمد اور ان کی تواضع نے اسے ذہنی جسمانی طور پر تھکا دیا تھا پھر معاذ بھی آج تنگ کر رہا تھا۔ بڑی مشکلوں سے وہ سویا تو اسے جھولے میں لٹا کر وہ اپنی جگہ لیٹ گئی۔ زید ٹیبل لیمپ کی روشنی میں کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔اس کی نڈھال طبیعت اسے بھی محسوس ہو رہی تھی اس لیے وہ لیٹی تو بھی اس سے کچھ نہیں کہا اور کتاب پڑھتا رہا۔

ذرا دیر بعد ہلکی ہلکی سوں سوں پر وہ چونکا اور ایک دم اس کی نظر اپنی میز کی دراز کی طرف اٹھی۔ وہ جانتا تھا وہ بھی اس کی میز، بیگ اور کتاب بیاضوں کو ہاتھ نہیں لگاتی ہے پھر بھی اس نے احتیاطاً اٹھ کر دراز کھول کر دیکھا۔ آج والا لفافہ جیسا اس نے رکھا تھا ویسا ہی وہاں موجود تھا۔ یہ ایسا تیسرا پیغام تھا۔ آج والا بھی پہلے جیسا کاپی کا صفحہ تھا۔

آج اس کے خیر خواہ نے لکھا تھا۔

"شاداں کی کسی بات پر بھروسا نہ کرنا، پچھتاؤ گے۔"

وہ بنا آواز کیے دراز بند کر کے واپس پلنگ پر آیا۔

"تو شاداں کی اداسی کی وجہ فرح کی امی تھیں۔"

"اسے ذرا تسلی ہوئی۔

وہ تقریباً پلنگ کے وسط میں اس کی طرف پیٹھ کر کے کروٹ پر لیٹی تھی۔ اس نے ٹیبل لیمپ بجھایا اور اپنی جگہ لیٹنے کی بجائے دوسری طرف اس کے سامنے، اس کی سمت چہرہ کر کے لیٹ گیا۔ اندھیرا تھا پھر بھی شاداں نے آنکھیں موند کر خود کو سوتا ثابت کرنا چاہا اور زید نے ہاتھ بڑھا کر اسے قریب کیا۔

"پاپا! آپ کے وقت دینے کے مشورے پر پتا نہیں کب تک عمل اور صبر کر سکوں گا۔" اس نے دل میں انہیں مخاطب کیا۔

وہ جو چوری چوری رو رہی تھی، چہرہ چھپتے ہی کھل کے رونے لگی۔ زید نے تسلی کا ایک لفظ کہا نہ اسے روکا، بس اس کا ہاتھ اس کی پشت تھپک رہا تھا۔ ذرا دیر میں ہی وہ سو گئی تھی۔

"پاپا اٹ ورکس!" اس نے مسکراتے ہوئے ایک بار پھر تصور میں باپ سے کہا۔

☆☆☆

وہ میز پر زید کی چیزوں کو بالکل ہاتھ نہیں لگاتی تھی۔ دوپہر میں وہ کمرے میں آ رہی تھی تو الیاس عالم نے اسے اسٹیپلر دیا کہ یہ دھیان سے زید کی میز کی دراز میں رکھ دو ورنہ یہاں وہاں ہو جائے گا۔ کمرے میں آئی تو زید لیپ ٹاپ پر مصروف تھا۔ اس نے دراز کھول کر اسٹیپلر اندر اچھال دیا۔ جس کے نتیجے میں دراز میں دھرے کاغذات میں افراتفری مچ گئی اور دراز بند کرتے ہوئے کوئی کاغذ باہر نکل آیا۔ اس نے کاغذ کھینچا اور واپس رکھنے سے پہلے اس کی نظر تحریر پر پڑ گئی۔ اس آسمانی لفافے پر کس کی لکھائی تھی وہ جانتی تھی۔ اس نے دراز پورا کھولا جہاں مزید لفافے تھے۔ اس نے باری باری سارے کھول لیے اور ذرا دیر میں ہی ہاتھوں کی لرزش اس کے پورے وجود میں پھیل گئی۔ اسی وقت زید نے اسے دیکھا اور ماجرا سمجھتے ہی تیزی سے اٹھ کے آیا۔ اس نے کاغذات شاداں کے ہاتھ سے لیے تو اس نے خود کو سنبھالنے کے لیے میز کا سہارا لیا۔ زید نے اسے شانوں سے تھام کر پلنگ پر بٹھایا۔

"یہ..... یہ..... سب..... کب سے.....؟" وہ ہکلاتے ہوئے چند الفاظ ہی ادا کر سکی۔

"شاید شادی والے دن سے۔" اب جب وہ دیکھ ہی چکی تھی تو کہنا ضروری تھا۔

"شادی والے دن سے....." اس سر چکرانے لگا۔

"مگر میں نے دیکھا کافی وقت بعد، وہ فرش پر گر گیا ہوگا اور ماسی نے معمول کی طرح اٹھا کر دراز میں رکھ دیا تھا۔"

"پہلے دن سے....." اس نے چکراتے سر کو تھاما۔ اس کے ماتھے پر پسینہ ابھرا۔

www.zemtime.com

"لیکن وہ ایک پیغام نہیں تھا اور بھی تھے۔"
اس کی بات جاری تھی مگر وہ سن نہیں رہی تھی۔
زید کا مفاد تو معاذ کے لیے ایک معقول، اچھی دوسری ماں تھا تو پھر داغ دار ماضی، مشکوک کردار والی عورت کو پہلی فرصت میں ہاتھ پکڑ کے باہر کر دینا چاہیے تھا..... لیکن یہاں..... کیا اپنے مطلب، فرض اور ضرورت کے علاوہ بھی کچھ تھا جو وہ اب تک اس گھر میں تھی.....؟ یہ 'کچھ' اسے آج تک اپنے کسی رشتے سے نہیں ملا تھا۔
یہ 'کچھ' کچھ بھی ہو سکتا تھا۔ سب بھلا کر بحیثیت انسان اس کی ذرا سی فکر، حالات سے قطع نظر اسے بدلنے کی کوشش کے بجائے وہ جیسی بھی ہے اس شادماں کو قبول کرنے کی کوشش، اس کے مسئلے کی وجہ سمجھنے کی تگ و دو یا رشتے میں توقعات کے ساتھ وہ آسودگی اور وقت کی فراہمی کہ وہ کھلنے کی ہمت کر لے۔ دادی، ماں باپ، بہن بھائی، دوست کوئی بھی اسے یہ 'کچھ' نہیں دے سکا تھا۔ کسی نے اس کے لیے گنجائش نہیں رکھی تھی۔
اس نے زید کو دیکھا اور وہ اس قدر کھوئی سی تھی کہ زید رک گیا۔
"شادماں.....؟" اس نے پکارا اور وہ رونے لگی۔
اس کی آواز خاصی اونچی تھی۔ عام طور پر اس وقت سب اپنے کمروں میں ہوتے تھے پھر بھی دروازہ کھلا تھا اور اسے لگا اس کی آواز کوئی سن نہ لے۔ وہ دروازہ بند کرنے اٹھنے لگا تھا کہ اس ناگہاں وقت میں اس کی حسرت پوری ہوئی۔ اس نے سینے سے لگی بیوی کو دیکھا پھر کھلے دروازے کو..... اور وہی کیا جو ضروری تھا کہ اس وقت سارا گھر بھی اکٹھا ہو جاتا تو اسے پروا نہیں تھی۔
"تم کس لیے اتنا رو رہی ہو؟" کچھ دیر اس کے چپ ہونے کا لاحاصل انتظار کرنے کے بعد اس نے دھیرے سے پوچھا۔
"کسی نے مجھے تم سے بدظن کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہا، مجھے ان میں لکھی کسی بات کا یقین نہیں ہے۔"
"اسی لیے رونا آ رہا ہے۔" وہ سنبھل کے دھیمی آواز میں کہتی اس سے الگ ہوئی۔
"کہ آپ نے ان سب کے بعد بھی مجھ سے نفرت نہیں کی، شک نہیں کیا۔"
"ہمیں ساتھ رہتے زیادہ وقت نہیں ہوا ہے پھر بھی میں اس بندے کی تعقل کا ماتم کروں گا جسے تم سے نفرت ہو۔"
"آپ کو ڈر نہیں لگا..... ذرا سا بھی..... اگر ایک بھی بات درست ہوئی تو؟"
"بظاہر کوئی مجھے خبردار کر کے خود کو میرا خیر خواہ ثابت کرنا چاہ رہا تھا مگر مجھے یہ میری خیر خواہی سے زیادہ تم سے دشمنی لگی، تمہاری زندگی خراب کرنے کی کوشش۔ اگر یہ سب جینوئن تھا تو اس انسان کو مجھ سے ملنا چاہیے تھا یا تم سے کم فون کر تا میسج کرتا، اگر یہ واقعی سچ تھا تو اس کے لیے چھپنا اور یہ طریقہ اختیار کرنا دونوں غلط تھے اور جب میں نے ذرا سوچا تو یہ ہی بات مجھے اس انسان کی نیت اور مقصد کے غلط ہونے کا یقین دلا گئی۔ پھر میں نے ان میسجز سے زیادہ کون اور کیوں پر توجہ دی اور ہاں تمہاری دماغی حالت پر مجھے کبھی شبہ نہیں ہوا۔" وہ مسکرایا۔
"میں نے اپنے طور پر پتا لگانے کی کوشش کی تو پہلا شک عاقب پر گیا لیکن یہ اس کا کام نہیں ہے، یہ وہ ہے جس کی ہمارے گھر تک رسائی ہے۔"
"مجھے معلوم ہے یہ کون ہے۔" اس نے سر جھکا کر دھیرے سے بم گرایا۔ وہ یہ لکھائی اچھی طرح پہچانتی تھی۔
"آں!" اس کا ردعمل بے یقینی اور شدید حیرت لیے تھا۔
"پھر تم نے کیسے اسے اتنی کھلی چھوٹ دی؟ اسے کنفرٹ کیوں نہیں کیا؟ روکا کیوں نہیں؟ سرِ عام ذلیل کیوں نہیں کیا؟ مجھے کیوں نہیں بتایا؟ اس کے اندر ایسے کئی سوال مچلے لیکن زید خاموش رہا۔ وہ ایسے

www.zemtime.com

کسی شخص کی موجودگی سے باخبر ہوتے ہوئے چپ تھی، اپنی شادی شدہ زندگی داؤ پر لگائے تھی اس کا مطلب تھا یہ بہت غیر معمولی بات تھی۔

"آپ مجھ سے بدظن نہیں اور یہ کوششیں بے کار ثابت ہوئی ہیں تو اسے ایسے ہی رہنے دیں، ہم۔۔۔"

"یعنی تم چاہتی ہو اس طرح کے لیٹرز کمرے میں ملتے رہیں اور ہم یوں پیش آئیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں ہو؟" زید کے سوال پر اس کا جھکا سر اور جھک گیا۔ بات عجیب اور نامعقول تھی مگر وہ یہ ہی چاہتی تھی۔

"نہیں شادماں!" زید نے نرمی سے کہا۔ "تم اس سے بے خبر ہو مان کر میں اپنے طور پر اس کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا اور تمہاری پھوپھو کے گھر تک پہنچ بھی گیا تھا....." شادماں نے جھٹکے سے سر اٹھایا۔

"لیکن اصل کلپرٹ ذیشان نہیں ہے۔ تم جانتی ہو تو مجھے بتاؤ، تم مجرم کو بچانا اور چھپانا چاہتی ہو، شاید وہ تمہارا کوئی عزیز ہے اور میں اس تک پہنچ کر اسے بے نقاب کرنا چاہتا ہوں کیوں کہ تم مجھے عزیز ہو، تمہیں ایسی مصیبتوں سے چھپانا اور بچانا میرا فرض ہے۔" وہ بے حد سنجیدہ تھا۔

"مجھے ایسے ہی تو اس شخص سے محبت نہیں ہوگئی!" شادماں نے اسے دیکھتے ہوئے سوچا۔

"زید!" اس نے زید کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیے۔ وہ کسی انوکھی کیفیت میں گھری تھی اور وہ اس پیش قدمی پر قربان ہی تو ہوگیا۔ وہ آگے کچھ کہتی اس سے پہلے دروازے پر دستک ہوئی۔

زید کا دل کیا زور سے چیخے۔ "چلے جاؤ!" اور اِدھر وہ اس کے ہاتھ چھوڑ کر کھڑی ہوگئی تھی۔

"کون؟ آجائیں۔" نسرین اندر داخل ہوئیں۔ اُن کے ہاتھ میں شادماں کا فون تھا۔

"تم کچن میں چھوڑ آئی تھیں، بھابھی ہیں۔" انہوں نے فون اس کی سمت بڑھایا۔

اس کے بات کرنے تک وہ وہیں رکی رہیں۔

"آپا کے سسر کے چاچا کا انتقال ہوگیا ہے، امی ابو وہاں جا رہے ہیں، بھابھی بچوں کے ساتھ میکے گئی ہیں۔ دادی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اور وہ اکیلی ہیں تو امی کہہ رہی ہیں ان کی واپسی تک میں گھر چلی جاؤں، انہیں شاید رات میں دیر ہو جائے گی۔" بات ختم کر کے اس نے کہا۔

"اچھا، جاؤ۔ زید چھوڑ دے گا تمہیں۔"

"معاذ سو رہا ہے۔" اس نے جھولے کی سمت دیکھا۔

"اسے رہنے دو، رات میں واپس ہی آنا ہے نا۔"

"جی۔"

"ہاں تو اتنی دیر رہ لیتا ہے معاذ۔"

وہ گفتگو درمیان میں چھوڑ کر اس کے گھر روانہ ہوگئے۔ زید نے بائیک گیٹ سے باہر کھڑی کی اور اس کے ساتھ اندر آتے ہوئے کہا۔

"رات میں بات وہیں سے کریں گے جہاں چھوڑی تھی۔" اس کا افسوس جلد ختم ہونے والا نہیں تھا۔

"آپ اندر نہیں آرہے؟"

"نہیں، تایا تائی کے آتے ہی مجھے فوراً کال کرنا۔"

"جی۔" زید نے اس کے بجھے بجھے سے چہرے کو دیکھا اور رک کر کندھوں سے پکڑ کر اس کا رخ اپنی طرف کیا۔

"میں تمہیں ہر خوف اور فکر سے آزاد دیکھنا چاہتا ہوں، مجھ پر اعتبار کرو کہ میں ان شاء اللہ اس مسئلے کا سدباب کر دوں گا۔"

زبردستی کا تبسم سجا کر شادماں نے سر ہلایا۔ اس کی منتشر ذہنی کیفیت اور کشمکش اس سے چھپی نہیں تھی۔ وہ اس وقت کسی بھی طرح اسے اپنے ساتھ اور محبت کا یقین دلانے کو بے قرار تھا۔



www.zemtime.com

''زیادہ سوچو نہیں اور ریلکس رہو۔'' اس نے ذرا سا جھک کر اس کی پیشانی پر وہ یقین ثبت کرنے کی سعی کی تھی۔ ''میں تمہارے ساتھ ہوں۔''

اس کی حوصلہ دیتی مسکراہٹ سے شاد ماں کے چہرے پر بھی تبسم بکھر گیا تھا۔

اس کی باریک نظروں سے اوجھل ہوئی تو وہ گیٹ بند کر کے ہال میں آئی اور کھڑکی کے پاس دادی کو دیکھتے ہی پرسکون ہوئے دل و دماغ میں پھر جھکڑ چلنے لگے۔ ان کے تاثرات چیخ رہے تھے کہ وہ باہر کا منظر دیکھ چکی ہیں۔

''کر لیا اسے اپنی مٹھی میں؟'' دادی کی زہر خند آواز کمرے میں گونجی۔ اسی وقت اس کا فون بجا۔ شاد ماں نے دیکھے بنا کال منقطع کر دی۔

''نہیں دادی وہ تو . . .'' وہ صفائی دیتی آگے آئی۔

''اپنی آنکھوں سے دیکھا میں نے سب.....'' دادی بھی بپھر کر آگے آئیں۔

''اب وہ ہی کرے گی تُو جس کا مجھے ڈر تھا، جانتی تھی میں تو ایسی ہی بے غیرت اور خود غرض ہے، کسی کا خیال نہیں تجھے اپنی زندگی اور عیش کے لیے باقی سب کی زندگیاں اجاڑ دے گی، میرا خوف غلط نہیں تھا. . .''

''دادی!'' وہ فون میز پر رکھتے ہوئے بے قراری سے ان کے قریب آئی۔ ''آپ میرا یقین کیوں نہیں کرتیں دادی؟'' اس کے لہجے میں سارے زمانے کی عاجزی تھی۔ ''میں نے آج تک کسی سے نہیں کہا تو اب کیوں کسی کو بتاؤں گی؟''

''سب جانتی ہوں میں، میری نگرانی نہ ہوتی تو کب کی اپنی من مرضی کر جاتی، کیا کہہ رہا تھا تجھے زید؟ ایسا کیا کہہ دیا ہے تو نے اسے.....؟'' ان کا مشکوک لہجہ تیز تو تھا ہی لیکن اس میں انجانا خوف بھی ہلکورے لے رہا تھا۔ ''لیکن یاد رکھ تیری زبان سے زیادہ قابل بھروسا آج بھی میری بات ہے، ابھی نسرین کو ایک فون کر دوں یا شہوار کو ایک اشارہ تو پھر اس دہلیز پر ہو گی تو۔''

''دادی!'' اس نے ان کے آگے ہاتھ جوڑے۔ ''آپ کو اللہ کا واسطہ دادی۔ پلیز، آپ کسی سے کچھ نہ کہیں، میری زبان پر موت تک، قیامت تک کے لیے قفل لگا ہے۔'' وہ رونے لگی تھی۔

''ناہنجار!'' دادی نے اسے پوری طاقت سے تماچا رسید کیا۔

''اب تو مجھے یہ دھمکی دے گی ...تو قیامت میں زبان کھولنے کا طعنہ مار رہی ہے، حشر کے حساب کتاب سے ڈرا رہی ہے مجھے . . .'' ان کا پورا جسم مارے طیش کے لرزنے لگا تھا۔

''نہیں دادی۔'' وہ گال پر ہاتھ رکھے اس نئے نکتے پر ششدر تھی۔

''لیکن تو ماں کی طاقت کو نہیں جانتی. . . .'' دادی ہمیشہ کی طرح رکنے کو تیار نہیں تھیں۔ ''اپنی اولاد کو بچانے، اس کی حفاظت کے لیے وہ ہر حد پار سکتی ہے اور میرا رب جانتا ہے وہ حادثہ تھا میرے طاہر کی کوئی غلطی نہیں تھی۔''

''ہاں دادی! وہ حادثہ تھا، مجھے بھی یقین ہے پھر آپ کیوں مجھ پر اعتبار نہیں کرتیں۔'' وہ بے حد تھک گئی تھی۔ اس کی آواز اس کا وجود سب شکست خوردہ تھے۔

''نہ نہ.....'' انہوں نے سر ہلاتے ہوئے آنکھیں پھیلائیں۔ ''تو مجھے ایسے بے وقوف نہیں بنا سکتی جب تک زندہ ہوں تیری نگرانی کرتی رہوں گی، تیرے سر پر میری تلوار نہ ہوتی نا تو تو کب کا ہمیں رسوا کر چکی ہوتی۔ اس خاندان کی عزت اسی وجہ سے اب تک قائم ہے کہ میرا ڈر ہے تجھے۔ اس خوش فہمی میں نہ رہنا کہ زید میرا بھی پوتا ہے اور وہ میری بہن کا خاندان ہے تو میں کچھ نہیں کروں گی اور تو وہاں اپنی من مانی کر سکتی ہے، تیری ڈور اب بھی میرے ہاتھ میں ہے۔''

''میں کیا کروں دادی کہ آپ کو یقین آ جائے۔'' وہ نڈھال تھی۔



www.zemtime.com

"مجھے کبھی یقین نہیں آئے گا۔" انہوں نے سر اٹھا کر تنفر سے کہا۔

"میں ماں ہوں میں ایک پل کے لیے غافل نہیں ہوسکتی۔" ماں کی محبت اور فرض کا یہ کون سا روپ تھا جس نے اس کی زندگی سے سکون چھین لیا تھا۔

"تو مجھے بھی ایک زور کا تھپڑ ماریں ابو کی طرح کہ میرا بھی سر دیوار سے لگے اور میں شاداب کی طرح مرجاؤں۔" اب یہ ہی ایک حل بچا تھا۔

"تو... یہ..." دادی کے منہ سے جھاگ اڑنے لگا۔ مارے غصے اور تعجب کے ان کی زبان لڑکھڑانے لگی، وہ بول ہی نہ سکیں تو دونوں ہاتھوں سے اسے مارنے لگیں۔

"یہ.....تو... یہ ہی تو ڈر ہے... زبان پر آئی کیسے... یہ.... یہ... بات تیرے منہ سے نکلی... ہی کیوں.... یہ ہی ہے تیرا ارادہ... یہ ہی ہے تیرے دل میں..... اسے دنیا سے کہنا چاہتی ہے تو..."

ان کے ہاتھ نہیں رک رہے تھے آخر وہ تھک گئیں تو ہانپتے ہوئے رک کر صوفے کا سہارا لیا۔

"مجھے سچ میں مار ہی ڈالیں دادی، میرے اندر اب ہمت نہیں اور برداشت کرنے کی۔" اس نے اپنے بکھرے بال پیچھے کیے۔ دادی نے پھر ساری قوت مجتمع کر کے اسے زور سے تھپڑ رسید کیا۔

"یہ بات کبھی لفظوں میں ڈھل کر بیان نہ بنے، یہ ہوائیں اور دیواریں بھی کبھی ان کو نہ سنیں، یہ کہا تھا میں نے تجھ سے، یہ وعدہ کیا تھا تو نے مجھ سے لیکن مجھے ہمیشہ تیری طرف سے کچھ دھڑکا لگا رہتا تھا، ساری دنیا کو بتانا چاہتی ہے یہ تو لیکن۔ یاد رکھ میرے ہوتے کبھی کامیاب نہیں ہوگی اور کبھی غلطی سے بھی کوشش کی تو دیکھنا کوئی نہیں مانے گا، تیرا کردار اور شہرت ایسی ہوگی کہ لوگ پتھر ماریں گے پاگل سمجھ کر، لیکن کوئی یقین نہیں کرے گا۔ یہ زمین تنگ کردوں گی تجھ پر، طاہر کا بال بھی بیکا نہیں ہونے دوں گی۔" وہ اس کے بال مٹھی میں پکڑ کر خود کلامی کے انداز میں کہہ رہی تھیں جیسے خود کو باور کرا رہی ہوں۔ تکلیف کے مارے اس کی آنکھیں برس نے لگی تھیں لیکن اس کی زبان خاموش تھی۔

"میرے ہوتے کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا میرے طاہر کا..." انہوں نے اس کے بال چھوڑے اور پورے کروفر سے کہا۔ "دیکھ، اب کیسے تجھے واپس اس گھر میں بلاتی ہوں، ہمیشہ میری آنکھوں کے سامنے ہی رہے گی تو، یہیں اس گھر میں اصل ٹھکانا ہے تیرا۔" وہ غیض وغضب سے لرزتی دوسرے کمرے میں چلی گئیں اور شاداں بے جان سی صوفے پر گر گئی۔

اس کی مسافت کا کسی کو اندازہ نہیں تھا۔ وہ بچپن سے دادی کے وہموں سے بھاگ رہی تھی، قدم مسلسل سفر میں تھے ایسا سفر جس کی سمت متعین تھی نہ منزل تھی۔ دادی نے تمام عمر کے لیے یہ خاردار اور سنسان راستہ اس کا مقدر کر دیا تھا۔ وہ آٹھ سال کی عمر سے دادی کے ہاتھوں کی کٹھ پتلی تھی، ایسی جیتی جاگتی کٹھ پتلی جس کی وہ جب چاہتیں سانسیں روک لیتی تھیں، جہاں چاہتیں اسے گرا دیتی تھیں، پٹخ دیتی تھیں۔

اس کے دل میں اتری محبت کی چاندنی اور سکون کی کرنوں کی عمر بڑی مختصر تھی۔

"زید!" اس نے دل میں اسے پکارا اور رو پڑی۔

تب ہی سامنے میز پر رکھے الٹے فون کی اسکرین روشن ہوئی تو اس نے چونک کر ہاتھ بڑھا کے فون اٹھایا اور جھٹکے سے کھڑی ہوئی۔ اس نے دیکھے بنا اپنی دانست میں جو کال منقطع کی تھی وہ دراصل ریسیو ہوگئی تھی اور ابھی ابھی دوسری طرف زید نے فون بند کیا تھا۔

اس نے منہ پر ہاتھ رکھ کر سامنے دیکھا جہاں وہ دروازے میں نمودار ہوا تھا۔ اس نے ایئر پوڈ کان سے نکال کر جیب میں ڈالا اور کچھ کہنے جا رہا تھا کہ وہ



www.zemtime.com

اسے چپ رہنے کا اشارہ کرتی تیزی سے اس کے پاس آئی۔

"آپ جائیں پلیز۔" اس کی رنگت خطرناک حد تک سفید ہوگئی تھی، وہ خائف تھی۔ اس کی آواز وحشت زدہ مگر سرگوشی سی تھی۔

زید کو اس لمحے شادماں کی اذیت اور اکیلے پن کے احساس کے ساتھ ہی اس کے لیے اپنے جذبات کی شدت اور گہرائی کا ابھی ادراک ہوا تھا۔ کچھ منٹوں پہلے وہ جس فکرمند شادماں کو چھوڑ گیا تھا وہ ہی اسے تکلیف دہ لگ رہا تھا مگر اس وقت جو اس کے سامنے تھی وہ اس کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس نے کسی اور ہی احساس کے زیر اثر شادماں کے بکھرے بال ہاتھوں سے سنوارے۔

"پلیز۔۔!" اس نے ہاتھ جوڑے۔ وہ خوف اور یاس کی آخری حد پر تھی۔

"میں تم سے کچھ نہیں پوچھوں گا۔" زید نے اس کے بندھے ہاتھ نیچے کیے۔ اس کی آواز بھی سرگوشی سے زیادہ نہیں تھی۔

اس کے آنسو رواں ہوگئے۔ زید نے بازو پھیلا کر اسے خود سے قریب کیا اور وہ دبی دبی آواز میں اور تیزی سے رونے لگی۔

کسی کی موجودگی کا احساس دادی کو بھی ہوگیا تھا۔ وہ اٹھ کر ہال کی طرف بڑھیں اور ٹھٹک کر رک گئیں۔ دروازے سے نظر آرہا منظر ان کا بدترین خدشہ، ان کا ڈراؤنا خواب تھا۔ جس کے ظہور کو روکنے کے لیے وہ صحیح غلط، بھلا برا، ظلم ستم، رتبہ مقام، رشتہ سب بھلا چکی تھیں۔ انہوں نے ہر ممکن حربہ استعمال کیا تھا کہ ان کی پوتی کسی کے قریب نہ ہوسکے، کسی کے ساتھ اتنی آسودہ نہ ہونے پائے کہ اس کے آگے اپنا دل کھول دے مگر سارے داؤ بے کار گئے اور ساری تدبیریں رائگاں کہ فاصلے مٹ گئے تھے۔ اس کے آنسو، دکھ زخم کچھ بھی راز نہیں رہا تھا۔ جو بڑی مشقت سے انہوں نے کھڑکی کی تھی وہ دیوار ڈھے گئی تھی۔ اسے سمیٹنے والا، اس کی زندگی کا سائبان اسے گلے لگا کر مان اور اعتبار سونپ چکا تھا۔

تب ہی زید کی نظر ان پر پڑی۔ اس کی نگاہوں میں نفرت، تاسف اور بے خوفی تھی۔

"یہ کیسے ہوگیا۔۔۔ یہ کبھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔۔ کہاں غلطی ہوئی مجھ سے ۔۔۔۔اب۔۔۔۔۔"

دادی کا دل ڈولنے لگا، انہیں بے تحاشا گھبراہٹ نے گھیرا۔ وہ پل بھر میں پسینے میں شرابور ہوگئیں۔ بیٹے کی عزت، اس کا نام، خاندان، رسوائی، انہیں سب یاد آیا، ان کا سر چکرایا اور دل میں درد کی لہریں اٹھنے لگیں، وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکیں۔ ان کی حالت دیکھ کر زید شادماں کو چھوڑ کے دوڑا لیکن اس کے پاس آنے تک وہ زمین پر گر چکی تھیں۔

☆☆☆

اسپتال میں شادماں کے ابو اور بھائی ڈاکٹر سے بات کررہے تھے زیدان کے ساتھ تھا۔ دادی کو ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ اس اس وقت وہ خطرے سے باہر لیکن انتہائی نگہداشت میں زیر علاج تھیں۔ ڈاکٹر سے بات کرنے کے بعد طاہر علی اور داراب کسی کام سے نیچے چلے گئے تو زید اس کے پاس آیا۔ وہ ایک گوشے میں چپ چاپ بیٹھی تھی۔ اسے اس وقت کچھ محسوس نہیں ہو رہا تھا، اس کے اعصاب اور احساسات سن تھے۔

"دادی ابھی ٹھیک ہیں، تشویش والی کوئی بات نہیں۔" وہ اس کے بازو میں بیٹھ گیا۔ شادماں نے کچھ نہیں کہا۔

"اب گھر چلیں؟ تایا جان اور داراب ہیں یہاں۔" اس نے بس سر ہلایا۔ تب ہی نرس باہر آئی اور کہا مریض سے ملنا ہے تو کوئی ایک بندہ مل سکتا ہے۔

"جی۔" وہ کھڑا ہوگیا۔

"نہیں ..... زید.....!" اس نے گھبرا کر زید کا ہاتھ پکڑ کر روکا۔

"اس وقت میں انہیں یقین دلا دوں کہ میں کسی سے کچھ نہیں کہوں گا تو ہی وہ پرسکون ہوں گی۔"



www.zemtime.com

"وہ کسی پر یقین نہیں کرتیں۔" وہ پھر رونے کو تھی۔

"مجھے کوشش تو کرنے دو۔ ان کے ٹھیک ہونے اور سنبھلنے کے لیے انہیں مطمئن کرنا ضروری ہے۔" وہ اسے تسلی دے کر اندر چلا گیا۔

مشینوں میں جکڑی دادی کچھ بولنے کے قابل نہیں تھیں۔ انہیں اس وقت وہاں اس کے آنے کی امید نہیں تھی۔ اس نے دیر نہیں کی اور جھک کر ان کے کان کے قریب ہوا۔

"آپ وعدہ کریں کہ اب اس بات کو لے کر شادماں سے ایک لفظ نہیں کہیں گی تو مجھے اپنے بیٹے کی قسم ہم تینوں اور تایا جان کے بعد کسی پانچویں کو میری طرف سے اس بات کی خبر نہیں ہوگی نہ شادماں کسی سے کچھ کہیں گی۔" وہ مضبوط لیکن نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

"مجھے شادماں کے علاوہ کسی اور چیز کی پروا نہیں ہے۔" دادی نے آنکھیں موند کر گویا وعدہ کیا۔

"برسوں پرانے حادثے کو بھول جائیں اور جلد سے صحت مند ہو کر گھر لوٹیں۔" اس نے ان کے جھریوں زدہ ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا تھا۔

گھر واپس ہوئے تو سب اس کی صورت اور حلیے کو دادی کی اچانک بیماری کا اثر سمجھ رہے تھے۔ رات کے کھانے اور معاذ کو سلانے کے بعد وہ خود زید کے پاس آئی۔ وہ میز کے قریب آ کر رکی تو زید جو کچھ لکھ رہا تھا، رک گیا۔

"مجھے آپ سے سب کہنا ہے۔"

"تم خود پر جبر نہ کرو میرا جاننا ضروری نہیں، بس اب....."

"میں اب خود پر جبر نہیں کرنا چاہتی اس لیے کہنا ضروری ہے۔" وہ پہلی بار بلا جھجک، پورے اعتماد سے اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔

"اوکے۔" وہ کرسی چھوڑ کے کھڑا ہو گیا۔

☆☆☆

طاہر علی اپنے والدین کی اکلوتی اولاد نرینہ تھے جو زندہ تھی۔ ان سے قبل دادی کے تین بیٹے چند دن ہی زندہ رہ پائے تھے۔ اس لیے تین بہنوں کے بعد پیدا ہوئے طاہر علی کی پرورش بڑے ناز و نعم میں ہوئی تھی۔ ماں باپ نے انہیں ہتھیلی کا چھالا بنا کر پالا تھا۔ وہ کم گو تھے اور مزاج میں ملنساری نہ تھی اور غصے کے بہت تیز تھے۔ ان کا غصہ سارے خاندان میں مشہور تھا۔ ان کی موجودگی میں بیوی بچے سہمے سے رہتے تھے۔ سب سے ضرورتاً اتنی بات کرتے اور اپنا گوشہ پکڑے کسی نہ کسی کام میں خود کو مصروف رکھتے تھے۔ جتنا وقت وہ گھر سے باہر رہتے تھے وہ ہی سب کے لیے کھل کر سانس لینے کا وقت ہوتا تھا۔ ان کی چادریں پردیں، گدوں اور تکیوں کی دکان تھی جہاں یہ بنی بنائی چیزیں فروخت کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے سینے بنانے کا بھی کام ہوتا تھا۔ ان کا کاروبار واجبی سا تھا لیکن شادی کے بعد خالدہ کے بھائیوں نے ان کی بہت مدد کی تھی۔ خالدہ کا خاندان معاشی طور پر ان سے مستحکم تھا اور شہر اور خاندان میں ان کا اثر رسوخ بھی کافی تھا۔ ایک لحاظ سے ان کے بہت احسانات تھے طاہر علی کے خاندان پر۔ شادماں اور شاداب جڑواں تھے اور ان سے بڑی افشاں اور ان میں نو سال کا فرق تھا۔ افشاں سے بڑا داراب، ضوفشاں اور درخشاں دس، بارہ اور چودہ سال بڑے تھے۔ ضوفشاں کی شادی کی تاریخ طے ہو گئی تھی اور سب اس کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ ایسے میں اکثر شادماں اور شاداب کو دیر تک گھر سے باہر بھٹکنے اور کھیلنے کی چھوٹ مل جاتی تھی۔ طاہر علی کا فرمان تھا کہ سب بچے مغرب سے پہلے گھر میں موجود ہوں۔ اس کے بعد صرف داراب کو اجازت تھی کہ وہ کسی ضرورت یا کام کی صورت میں گھر سے نکل سکتا تھا۔

اس دن ہوا یہ کہ شادماں اور شاداب کے گھر آنے سے پہلے طاہر علی آ گئے۔ ان دونوں کو گھر میں نہ پا کر پہلے سب کو جی بھر کے باتیں سنائیں پھر ان دونوں کے آتے ہی انہیں ان کے پاس بھیجنے کا حکم دے کر اپنے کمرے میں چلے گئے۔ وہ دونوں گھر آئے تو گیٹ پر ہی خالدہ جلے پیر کی بلی کی طرح ٹہل



www.zemtime.com

رہی تھیں۔ ان سے دو چانٹے کھانے کے بعد وہ دونوں کانپتے دل اور لرزتی ٹانگوں کے ساتھ باپ کے کمرے کی طرف بڑھے۔

"پہلے میں جاتا ہوں تم بعد میں آنا۔" شاداب نے اسے دروازے کے باہر ہی روک دیا۔

ان دونوں میں محبت اور ایک دوسرے کی پروا باقی سب زیادہ تھی۔ وہ تھوک نگل کر سر ہلاتی دروازے کے باہر ہی رک گئی۔ شاداب نے اندر جا کر ڈرتے ڈرتے سلام کیا تب ہی پیچھے سے دادی نے اسے دبوچا۔ طاہر علی جہاں تھے انہیں وہ دونوں دکھائی نہیں دے رہی تھیں۔

"تو کس لیے یہاں کھڑی ہے، چل اندر۔"

وہ اسے لے کر اندر جاتیں اس سے پہلے ہی طاہر علی نے جواب دینے یا سوال کرنے سے پہلے ایک زوردار تھپڑ رسید کیا۔ دبلے پتلے شاداب کا توازن بگڑا، پیر لڑکھڑائے، اس کا دیوار سے ٹکرایا اور وہ بے حس و حرکت زمین پر یوں گرا کہ سر دیوار سے لگا تھا۔ دادی نے بیٹے کا طیش دیکھ کر شاداں کو وہیں سے باہر دھکیل دیا اور خود اندر دوڑیں۔ طاہر علی یہ نہیں دیکھ سکے تھے کہ ان کا تھپڑ مارنا ان کی ماں اور بیٹی دیکھ چکی ہیں۔ انہوں نے شاداب کو اٹھانا چاہا لیکن.....

انہوں نے گھبرا کر بیٹے کو دیکھا جو اب بھی اسی کروفر سے اسے گھور رہے تھے۔

"طاہر.....!" ان کی کانپتی آواز میں ڈول رہی بدشگونی طاہر کے ساتھ ساتھ باہر شاداں نے بھی محسوس کی تھی۔ وہ ڈر کر وہاں سے بھاگ گئی۔

کسی کو اصل واقعے کا پتا نہیں چلا۔ طاہر علی اسے فوراً اسپتال لے کر دوڑے لیکن ڈاکٹرز نے اسے آمد کے ساتھ ہی مردہ قرار دے دیا۔ سب کو یہ علم تھا کہ شاداب اچانک غش کھا کر گرا تھا اور سر دیوار سے ٹکرایا تھا۔ یہ اس قدر اچانک اور بڑا حادثہ تھا کہ سب اپنی جگہ درد سے چور تھے۔ وہ اس قدر سکتے میں تھی کی بھائی کی موت پر ایک آنسو بھی نہ نکلا۔ سب نے اسے جڑواں بھائی کی موت کا شدید صدمہ سمجھ کر قبول کر لیا۔ طاہر علی پہلے ہی خاموش طبع تھے اب اور خود تک محدود ہو گئے۔ ان کا غصہ بھی شاداب کے ساتھ قبر میں جا سویا۔ سب نے اسے بیٹے کی موت کا اثر سمجھا۔

طاہر علی نہیں جانتے تھے کہ شاداں نے بھی وہ دل دہلانے والا دردناک منظر دیکھا ہے اور بدقسمتی سے ان کی ماں نے بھی۔ گھر میں جلد ہی شادی تھی۔ دادی کو شاداں کی طرف سے خدشہ تھا۔ وہ اسے ماں کے پاس بھی اکیلے نہیں بیٹھنے دیتیں کہ کہیں وہ انہیں ہی نہ بتا بیٹھے۔ وہ اس کا سایہ بن گئیں، اسے اپنے کمرے میں اپنے ساتھ سلانے لگیں، اس کے کپڑے، کتابیں سارا سامان بھی ان کے کمرے میں منتقل ہو گیا۔ دل جوئی کی آڑ میں وہ دادی کی قیدی بنتی گئی۔ ہر گزرتے دن کے ساتھ دادی کے وسوسے اور وہم بڑھتے گئے۔ انہیں خالدہ کے بھائیوں کا بھی بہت خوف تھا کہ ان کے علم میں یہ بات آئی تو وہ چپ نہیں بیٹھیں گے۔

کسی کو حقیقت کا علم ہوتا تو وہ تشخیص کرتا کہ دادی شدید 'پیرانویا' کا شکار تھیں اور یہ وقت کے ساتھ بڑھتا گیا۔ انہوں نے اس کی کوئی قریبی سہیلی بننے دی نہ گھر میں ماں اور بہنوں کو اس کے قریب آنے دیا۔ وہ جیسے شاداں کے معاملات اور مزاج کی 'ایکسپرٹ' ہو گئی تھیں جو اس پر بھائی کی موت کے اچھے برے اثرات اور اس کے مزاج کو اس سے بھی بہتر سمجھتی تھیں۔ وہ دنیا سے جیسے بچتی تھیں وہ الگ اور انہوں نے شاداں کے ساتھ جو رویہ رکھا وہ الگ کہانی تھی۔

وہ سارا بچپن باپ کے غصے سے ڈرتی رہی تھی، اب بھی ڈرتی تھی مگر سمجھ داری آتے ہی اس نے تسلیم کر لیا تھا کہ وہ برا حادثہ تھا۔ اس میں اس کے ابو کا کوئی قصور نہیں تھا۔ وہ قاتل نہیں تھے۔ انہوں نے بیٹے کا موت کی نیند سلانے کی نیت یا ارادے سے وہ تھپڑ نہیں مارا تھا۔ اس نے پھر بھائی کی موت کا ذمہ دار انہیں نہیں ٹھہرایا تھا۔ وہ محض شدید طیش کے خطاوار تھے اور اسے مردوں کے بلکہ ہر کسی کے غصے سے ڈر لگنے لگا تھا جو ایسا ناقابل تلافی نقصان کرتا



www.zemtime.com

تھا۔ اس نے باپ کو معاف کر دیا تھا لیکن اسے اپنے باپ کی شعلہ برساتی آنکھیں نہیں بھولتی تھیں اور اب اس میں کسی بھی مرد کی آنکھوں میں دیکھنے کا حوصلہ نہیں تھا۔ وہ ایک عام سی پر اعتماد لڑکی ہوتے ہوئے بھی اس کمزوری کی وجہ سے دبو اور ڈرپوک کہلانے لگی۔ اسے ابا پر ترس بھی آتا تھا جو اس حادثے کے بعد سے بدل گئے تھے لیکن ایک غصیلے مرد کا خوف اس کے اندر گہرائی میں جا بیٹھا تھا۔ دادی کو اس پر یقین تھا نہ کسی اور پر۔ وہ یہ سچائی دنیا سے ہر حال میں چھپانا چاہتی تھیں۔ اس کا ماتھا اس وقت ٹھنکا جب اس کے لیے رشتے آنا شروع ہوئے اور اس نے مختلف موقعوں پر دادی کو پھوپھو، خالہ اور ممانیوں کے ساتھ اس کے بارے میں بات کرتے سنا۔ وہ بظاہر اس کے لیے فکر اور تشویش کا اظہار ہوتا تھا لیکن وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ دادی اسے مختل مزاج، ذہنی اضطراب کا شکار، تنوطیت پسند ثابت کرنے پر تلی تھیں جو اپنے بھائی کی موت کے صدمے سے اب تک باہر نہیں نکل سکی تھی۔ اس نے اس وقت پر امید نظریں ماں کی طرف کیں لیکن وہ اس کی طرف متوجہ ہونے، اسے سمجھنے، دادی کی بات جانچنے کے بجائے یہ سب سن کر اور اسے سچ مان کر اور فکر مند ہوتی گئیں۔

افشاں ضوفشاں، درخشاں اپنے گھروں میں تھیں۔ داراب کے لیے بھی لڑکیاں دیکھی جا رہی تھیں اور اب امی کا مقصد تھا کہ کسی طرح داراب کے ساتھ ہی اس کی بھی شادی کر دی جائے۔ وہ اس کے لیے پریشان تھیں، ہر وقت اس کے مستقبل کے لیے سوچتی رہتیں مگر اس کے اندر کبھی نہیں جھانکا۔ وہ اسے دنیاداری سمجھاتی اور سکھاتی رہیں، ان کا مطمح نظر اس کی شادی تھا جس کے بعد سارے مسائل خود بخود حل ہو جانے تھے۔

کئی بار کی نمائش، امی کے وظیفوں اور سارے خاندان کی کوششوں کے بعد بالآخر اس کا رشتہ بھی طے ہو گیا۔ اس کے ساتھ کی دادی کے وہم بھی خطرناک حد تک بڑھ گئے۔ وہ اسے مسلسل ٹوکتے ہوئے اور دھمکاتی رہتیں، دوسری طرف امی اور بہنیں اسے سسرال اور شوہر کے ساتھ نباہ کرنے کے گر از بر کراتی رہتیں۔ وہ جو شادی شدہ زندگی کا سوچ کر کبھی گھبرائی نہیں تھی اب ڈرنے لگی تھی۔

داراب اور اس کی عمروں میں فرق تھا۔ بڑے تینوں آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف تھے لیکن اس کے ساتھ ان کا برتاؤ ایسا نہیں تھا۔ داراب کا اس پر رعب بھی بہت تھا، وہ شاداب کی جگہ نہیں لے پایا تھا۔ شادی کے بعد اس پر بھی اپنے اندر کی گتھیاں واضح ہوئیں۔ وہ گھر کے مرد حضرات یعنی سسر جیٹھ اور دیور کی موجودگی میں نظریں اور سر جھکائے رہتی۔ اس کے گھر کی نسبت یہاں مرد زیادہ تھے اور سسر اور دیور تو تقریباً سارا وقت گھر میں ہی رہتے تھے۔ باپ کے غصے اور سرخ آنکھوں نے اسے اس قدر بزدل کر دیا ہے اس سے پہلے اسے بھی اندازہ نہیں تھا۔ سب کو اس کی یہ ادا پہلے پہل بڑی بھائی لیکن یہ ہی انداز عاقب کو آگ بگولا کرنے لگے اپنی ساری کوششوں کے باوجود وہ عاقب کو خوش نہیں کر سکی۔

عاقب نے پیار سے غصے سے ہر طرح سے اسے بدلنے کی کوشش کی، اس نے بھی چاہا وہ اعتماد سے اس کی آنکھوں میں دیکھے لیکن پل بھر میں ہی اسے وہ آنکھیں طاہر علی کی سرخ آنکھیں لگنے لگتیں اور ساتھ ہی وہ منظر سامنے لہرا جاتا تو حالت غیر ہونے لگتی۔ اس کا یہ گریز اور کیفیت عاقب کو مشکوک کرنے لگی۔ وہ اس کی نگرانی کرنے لگا، کس کا فون تھا، اس نے کتنی دیر بات کی، کتنی دیر فون لے کر بیٹھی رہی، کتنی دفعہ میکے گئی، وہاں کون کون آیا اور بھی بہت کچھ۔ وہ اسے صفائی دینے کی کوشش کرتی یا سمجھانا چاہتی کہ اسے غلط فہمی ہوئی ہے تو وہ اور بھڑک جاتا۔ شاد ماں غصے سے بچنا چاہتی تھی اور عاقب کو اب اس کی ہر بات پر غصہ آنے لگا تھا۔ جب وہ ہی خوش نہیں تھا تو اس کے گھر والوں کا رویہ بھی اس سے سرد اور سخت ہوتا گیا۔

وہ میکے میں اس کے متعلق کسی سے بات کرنے کی کوشش کرتی تو اس کی سنے بنا ہی 'اسے کیا کرنا چاہیے'

اس عنوان پر ایک لمبی تقریر سننے ملتی۔ مسئلہ کیا ہے کسی نے بھی جاننے کی کوشش نہیں کی۔ سب کو لگتا تھا شاد ماں کے مزاج کی وجہ سے عاقب کو شکایت ہے اور وہ شوہر کے لیے خود کو بدلنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ وہ سب اسے اچھا پہننے اوڑھنے، شوہر کے لیے سجنے سنورنے، اس کو خواہشوں کا بنا بولے پورا کرنے، شوہر کے ساتھ ہنسی مذاق کرنے اور اس کی شوخیوں کا جواب شوخیوں سے دینے کی تلقین کرتے رہتے۔

اتنی باتوں کے درمیان وہ کچھ سمجھ پاتی یا فیصلہ کر کے اپنی شادی بچانے کے لیے کوئی لائحہ عمل ترتیب دے پاتی اس سے پہلے ہی یہ قصہ ختم ہو گیا۔ بیوی بہو دل سے اتر جائے یا دل میں جگہ ہی نہ بنا پائے تو اس سے چھٹکارے کے سو بہانے ہیں۔ دور دور تک خاندان میں کسی کی طلاق نہیں ہوئی تھی اس لیے سب کا ردعمل چاہے وہ حیرت، غصہ، افسوس یا دکھ، جو بھی تھا شدید تھا۔ سسرال میں یہ مشہور تھا کہ عاقب نے شک کی بنیاد پر اسے چھوڑا ہے۔ کوئی مطمئن تھا تو وہ دادی تھیں۔

بھابھی ویسے ہی آرام طلب تھیں۔ اس نے انہیں بستر پر ہی بٹھا دیا۔ خود کو مصروف رکھنے کے علاوہ اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا۔ طلاق کے بعد وہ خاموش اور تنہائی پسند ہو گئی تھی۔ پھر سب لوگ عاقب کا شک مختلف طریقے سے ایک دوسرے سے کہنے لگے تھے جو اس کے کانوں تک بھی پہنچتا تھا۔ جتنے منہ اتنی افواہیں، شکوک اور مفروضے تھے۔

بہنوں کو اس کی فکر تھی وہ اسے سمجھاتیں کہ اس طرح وہ بھائی بھابھی کی غلامی نہ کرے اپنے باپ کے گھر میں ٹھاٹھ سے رہے۔ خالدہ اب اسے بھی وظائف پڑھنے کے لیے دیتیں، ان کا مقصد ایک بار پھر اس کی شادی ہو گیا تھا۔ سب اسے بدلنا چاہتے تھے۔ اس کا مزاج، اس کی عادتیں، اس کا رویہ جو گھر والوں کی نظروں میں طلاق کی وجہ تھا، وہ چاہتے تھے وہ سب بدل ڈالے۔ ان کے مطابق معاشرے میں کامیاب زندگی اور سب کچھ اچھا اسی وقت مانا جاتا ہے جب بیٹیوں کی شادیاں ہو گئی ہوں۔ اس نے اپنی ماں کو ساری عمر اسی تگ و دو میں مصروف دیکھا۔ بیٹیوں کے کچھ نیا سیکھنے، کوئی شوق پورا کرنے کے، پہننے اوڑھنے، کہیں آنے جانے سب کے پیچھے ایک ہی بات ہوتی تھی کہ یہ سسرال میں کام آئے گا یا لڑکے والوں کو یہ پسند آئے گا۔

اس کی طلاق کے دو ماہ بعد زید کی شادی ہوئی تھی اور چند ماہ بعد ہی فرح کی وفات بھی۔ فرح کے بعد اس کی خالی جگہ پر اسے بٹھانے کی امی کی کوششیں اس نے بہت پہلے محسوس کر لی تھیں۔ نسرین کو تو بعد میں خیال آیا لیکن خالدہ پہلے ہی اس مقصد پر کام شروع کر چکی تھیں۔ ان کے گھروں میں اچھے تعلقات تھے، آنا جانا بھی رہتا تھا لیکن اب وہ اکثر اسے بھی ساتھ لے جاتی تھیں۔ وہاں اسے معاذ کے آس پاس ہی رکھتیں۔ نسرین بھی معاذ کو لے کر آتیں تو وہ معاذ کو اسے تھما دیتیں۔ حیرت انگیز طور پر معاذ اس کے پاس بڑا خوش رہتا تھا۔ صرف امی نے ہی نہیں اللہ نے بھی اس کے لیے یہ راہ آسان کرنے کی ٹھان لی تھی۔ دوسرے معاذ کے ساتھ وقت بتاتے ہوئے اس کی نیت میں خلوص تھا، وہ یہ کسی مقصد کی وجہ سے نہیں کرتی تھی۔ اسے بچے سے ہمدردی تھی۔ یہ پیش رفت دادی کو پہلے سے زیادہ بے چین کر گئی۔ اب تو خاندان کا معاملہ تھا۔ ان کی اپنی سگی بہن کا گھر انہوں نے دادو کو اپنی طرف سے سمجھایا بھی مگر وہ یہ شادی نہ روک سکیں۔

اس نے بھی سوچ لیا تھا اس رشتے میں ساری قوت اور کوششیں جھونک دے گی تاکہ وہاں سے نہ نکالی جائے۔ اس نے پچھلی غلطیوں سے سیکھا تھا اور اپنی کمزوری کو اعتماد کے پردے سے چھپا لیا تھا۔ اب یہاں ہر کسی کو خوش رکھنا اسے مقصود تھا۔ اپنی مرضی، پسند ناپسند، تمنا، طلب وہ سب پس پشت ڈال چکی تھی۔ معاذ کو سب نے وہ ہتھیار بنا کر اس کے سامنے پیش کیا تھا جسے استعمال کر کے وہ اپنے قدم وہاں مضبوطی سے جما سکتی تھی اور یہ سچ بھی تھا کہ معاذ باقی سبھو کے دلوں تک پہنچنے والا پل تھا۔

www.zemtime.com

شادی کے بعد اول اول معاذ کے ساتھ اس کا رویہ ان ہی باتوں کے زیر اثر تھا لیکن جلد ہی عورت کے اندر کی ازلی ممتا بیدار ہو کر اسے اس سوچ پر شرمندہ کر گئی اور اس معصوم کو اس نے صدق دل سے گلے لگا لیا تھا۔ جو خود محروم رہا ہو وہ کوشش کرتا ہے، کسی دوسرے کو اس محرومی سے بچا کر اپنے اندر کا خلا پر کرنے کی، وہ بھی یہ ہی کر رہی تھی۔ مگر اس کی ساری کوششوں اور ریاضتوں کے علاوہ یہاں بھی دادی کے وہم اور بے اعتباری اس کے ساتھ ساتھ تھے۔ انہوں نے یہ ہی سوچ کر اس کے کمرے میں رقعہ چھوڑا تھا کہ ابتدا میں ہی زید اس سے بدگمان اور مشکوک ہو جائے گا تو آگے شادماں کے لیے آسانیاں نہیں ہوں گی، وہ انہی میں الجھی رہے گی اور زید زیادہ ہی سخت مزاج نکلا تو وہ پھر باپ کے گھر لوٹ آئے گی۔ ان کی سوچ بس اسی نقطے کے گرد گھومتی تھی کہ ان کے بیٹے کا سچ دنیا کے سامنے نہ آئے مگر انسانوں کے منصوبوں اور مقدر کے اندراجات میں بھی کبھی بنی ہے بھلا۔

☆☆☆

جو اس نے مان لیا تھا کہ اسے قبر میں اپنے ساتھ لے جانا ہوگا وہ سب اسے سنا کر وہ زندگی میں پہلی بار ہلکی ہوئی تھی۔ ایک ان دیکھا بوجھ جس کے تلے وہ بڑی مشکلوں سے سانس لیتی تھی، اب سرک گیا تھا۔ اس کی سانسیں برسوں بعد بحال ہوئی تھیں۔ وہ اب بھی چاہتی تھی کہ زید کسی سے کچھ نہ کہیں حتیٰ کہ آئندہ دادی سے بھی اس موضوع پر بات نہ کریں لیکن زید اس معلق معاملے کو ختم کرنا چاہتا تھا بنا کسی اور کو خبر کیے۔ وہ سوچکی تھی مگر زید جاگ رہا تھا۔ بہت دیر تک سوچنے کے بعد وہ کسی نتیجے پر پہنچ پایا تھا۔

اگلے دن وہ طاہر علی کے پاس موجود تھا۔ اس سے یہ سب سن کر وہ سکتے میں تھے۔ انہیں علم تھا نہ اندازہ کہ شادماں نے انہیں تھپڑ مارتے دیکھا تھا اور ان کی ماں نے اس کے بعد کیا کیا ہے۔ ندامت اور ملال سے وہ داماد سے آنکھیں نہیں ملا پا رہے تھے۔

"تایا جان! اب یہ سوچیں کہ کیسے دادی کا وہم ختم ہوتا کہ وہ شادماں کی طرف سے بے فکر ہو جائیں، اسے پریشان نہ کریں۔ ان کی طبیعت دیکھتے ہوئے ہم ڈائریکٹ ان سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔"

"تم فکر نہ کرو بیٹا، اب یہ میرا مسئلہ ہے بلکہ یہ ہمیشہ سے میرا مسئلہ تھا، میں اسے ختم کر دوں گا۔"

اور پھر طاہر علی نے وہ کیا جو انہیں اسی وقت کرنا چاہیے تھا جب شاداب کی موت واقع ہوئی تھی۔ اگر وہ سچائی اسی وقت بتا دیتے تو آگے اتنا کچھ ہوتا نہیں تھا۔ وہ اس وقت شرمندہ تھے، دنیا کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی، انہیں پچھتاوا تھا، انہوں نے اس کے بعد سے غصہ چھوڑ دیا تھا، وہ بدل گئے تھے، اللہ کے حضور روز گڑگڑا کر معافی طلب کرتے تھے، بیٹے کے لیے ہر پل دعا گو تھے لیکن آج انہوں نے جانا، یہ کافی نہیں تھا۔ اور پھر وہ کیا جو ضروری تھا۔ انہوں نے اپنے بیوی بچوں کو اکٹھا کیا اور شاداب کی موت کی سچائی بتا دی ساتھ ہی ان کی ماں کا خوف، وہم اور ان کا شادماں کے ساتھ رویہ بھی اور پھر ہاتھ جوڑ کر سب سے معافی بھی طلب کی۔

دیر تو بہت ہو چکی تھی مگر سننے والوں کے لیے گویا یہ آج کی بات تھی۔ سب کا ردعمل مختلف تھا۔ شاداب کی موت پر تو سب اب صابر تھے اور طاہر علی کا قصور ان سب کے نزدیک یہ بات چھپانا تھا۔ وہ جو اپنے غصے کی سزا ایک عمر سے بھگت رہے تھے اس کے بعد کسی نے اس تعلق سے انہیں کچھ نہیں کہا۔

خالدہ کے پاس بھی اپنی بے توجہی اور بے خبری کے پچھتاوے تھے۔ ہمارے یہاں بیٹیاں پیدا ہوتے ہی اکثر ماں باپ کا نصب العین، ان کی زندگی کا مقصد بیٹی کی شادی ہو جاتا ہے۔ بچپن سے اس کا مزاج، پہننا اوڑھنا، اٹھنا بیٹھنا، تعلیم تربیت، ہنسی مذاق، ہر بڑی چھوٹی بات، سب کچھ کو اسی تناظر میں دیکھا جاتا ہے، اسی واسطے سکھایا جاتا ہے، اس کے مطابق طے کیا جاتا ہے کہ لڑکے والے اور لڑکے کو کیا اچھا لگے گا کیا نہیں۔

www.zemtime.com

باپ پائی پائی جوڑنا شروع کرتا ہے کہ اس قابل جہیز کا انتظام کرنے لائق ہوسکے جو معقول رشتوں کے لیے مقناطیس کا کام کرے۔ اکثر گھرانوں میں بیٹی کے مستقبل کے لیے تیاریاں کرتے ہوئے والدین جو چیز سب سے زیادہ نظرانداز کرتے ہیں وہ بیٹیاں ہیں۔ ان دونوں نے بھی یہ ہی کیا تھا۔ چار بیٹیوں کی شادی اور پھر شادی کے بعد کے جھمیلوں کے آگے انہیں کچھ دکھائی دیتا تھا نہ سوجھتا تھا۔

طاہر علی اس کے بعد ماں کے پاس اسپتال گئے اور انہیں بھی خبر کردی کہ وہ شاداب کو تھپڑ مارنے اور دیوار سے ٹکرانے والی بات سب کو کہہ چکے ہیں۔ اللہ تو غفور الرحیم ہے انہیں معاف کردے گا لیکن اس کے بندوں سے اس دنیا میں معافی بھی ضروری تھی۔ وہ بھی عمر کے آخری پڑاؤ میں داخل ہو چکے تھے جہاں توفیق ملے تو آخرت کی فکر ناممکن لگنے والے کام بھی کروالیتی ہے۔ انہیں یہ ہی طریقہ مناسب لگا تھا جس سے ماں کا ڈر اور وہم ختم ہوسکتا تھا۔ شاد ماں دنیا کو بتا نہ دے ان کا یہ خوف انہوں نے خود ہی سب کو بتا کر ختم کردیا تھا۔ جس کے ہونے کے وہم انہیں ستاتے تھے وہ ہو چکا تھا اور کوئی قیامت نہیں آئی تھی۔ اس کے بعد طاہر علی سب کا سامنے کرنے اور سب کی بھلی بری سننے کو تیار تھے۔

طاہر علی کے کر گزرنے کے بعد اب دادی کیا کہتیں۔ نہ کرتے، کیوں کیا، اب کیا ہوگا، جیسے سارے سوالوں کے جواب طاہر علی نے انہیں دے دیے تھے۔ ہم کئی دفعہ بزرگوں کو عمر کی سہولت دیتے ہوئے ان کی غلط باتیں چھپا کر، برداشت کرکے انہیں مزید غلطیوں کا موقع دیتے رہتے ہیں اور انہیں شرمندگی سے بچانے کے ہمارے یہ جتن انہیں اپنے غلط ہونے کا احساس نہیں ہونے دیتے۔ طاہر علی یہ غلطی نہیں کرنا چاہتے تھے۔ ماں کا احترام فرض تھا تو بیٹی کی خوشی اور سکون بھی ان کی ذمہ داری تھی۔ ایک عمر پچھتاوے میں گزارنے کے بعد وہ اس وقت دیر آید درست آید کی مثال تھے۔

ایک بار پھر جو بات اسے ناممکن لگتی تھی وہ ہو چکی تھی۔ زید نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا لیکن جب طاہر علی اس سے ملنے آئے تو انہوں نے اسے سارا ماجرا سنایا۔ باپ بیٹی کے درمیان اس عمر میں وہ لمحہ آیا تھا جب انہوں نے پہلی بار اسے گلے لگا کر تسلی دی تھی۔ اس نے پہلی بار باپ کی آنکھوں میں آنسو اور درد کی سرخی دیکھی تھی۔ یہ نیا منظر شاید اسے ان کی غصے سے سرخ آنکھیں بھلانے والا تھا۔ لفافے والی بات صرف شاد ماں کے گھر والے جانتے تھے۔ زید کے یہاں سب اس سے لاعلم تھے۔

آغاز میں الیاس عالم کی نصیحت اور مشوروں نے بکھرنے نہیں دیا تھا تو انجام طاہر علی کی ثابت قدمی نے سنبھالا تھا۔

دادی کا رویہ سب کے ساتھ عجیب تر ہوگیا تھا۔ جانے اب کون سے وہم اور وسوسے تھے کہ وہ سب سے ناراض رہتیں، کسی سے سیدھے منہ بات نہیں کرتیں، سب پر چیختی چلاتیں۔ ان کی اصلیت جاننے کے بعد اب کسی کو ان سے ہمدردی نہیں ہوتی تھی لیکن شاد ماں کو اب ان پر ترس آتا تھا۔ سب کے روکنے اور منع کرنے کے باوجود وہ ان کے کمرے میں جاتی، ان کے کام کرتی تھی۔ حیرت انگیز طور پر دادی اسے ایک لفظ نہیں کہتی تھیں۔ اسے دیکھ کر منہ موڑ لیتیں، منہ پھلائے رکھتیں لیکن جب وہ ان کے بال بناتی یا ناخن تراشتی تو اسے کرنے دیتیں۔ وہ بھی انہیں مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کرتی تھی۔

☆☆☆

"اب اسے ریٹائر کردیں پلیز۔" زید نے الماری سے اسی شرٹ کا ہینگر نکالا تو شاد ماں نے دہائی دی۔

"میں بتاتی ہوں مجھے اور کون سی شرٹس پسند ہیں۔" زید کو ایک طرف کرکے وہ الماری میں گھسی۔

"یہ ابھی اچھی بھلی ہے تو... ." اس نے ہینگر دور کرتے ہوئے شرٹ کا جائزہ لیا۔ "چلے گی اور کچھ ٹائم۔"

"مجھے یہ والی پسند ہے اور....." اس نے ہلکے پیلے اور سرمئی چیک والی شرٹ نکالی تب ہی فرش پر بیٹھے معاذ نے آواز نکالی۔



www.zemtime.com

''مم ماما ماما!'' وہ اب چند الفاظ بولنے لگا تھا۔ سب سے پہلے دادا اور بابا کہا تھا۔ اس کے منہ سے ماما پہلی بار نکلا تھا۔ وہ دونوں اس کی طرف پلٹے۔

''معاذ نے ماما کہا؟'' اس نے مسرت اور حیرت سے زید سے پوچھا۔ اس نے مسکرا کر سر ہلایا۔ اسی وقت پھر معاذ نے پکارا۔

''مم۔ ماما.. ما.. '' اس نے شرٹ کندھے پر ڈالی اور دوڑ کر اسے اٹھا کر دھڑا دھڑ چومنا شروع کر دیا۔

''او میرا شونا..... '' ماں بیٹے کی باتیں اور لاڈ شروع تھے کہ نسرین اندر آئیں۔

''لاؤ میں اسے نہلا کر تیار کر دیتی ہوں، تم اپنی تیاری کرو۔'' وہ تینوں سمیہ کے یہاں مدعو تھے۔

''اس نے ابھی ابھی ماما کہا چاچی۔'' اس نے پورے جوش سے انہیں اطلاع دی۔

''ماشاء اللہ۔ آج نہیں تو کل کہنا ہی تھا اس نے اپنی ماں کو ماما۔'' انہوں نے اسے گود میں لیتے ہوئے کہا۔ ان کے لہجے میں بہو کے لیے پیار تھا۔

''اسٹرابیری کھائی کم اور کپڑے زیادہ رنگے ہیں، کیوں......'' دروازے سے نکلتے ہوئے وہ معاذ سے مخاطب تھیں۔ تب ہی اس نے چونک کر کندھے پر پڑی شرٹ کو دیکھا۔ معاذ کے ہاتھ کی اسٹرابیری شرٹ سے چپکی تھی۔

''اب نہیں کہوں گی، میری ہی نظر لگ جاتی ہے۔'' اس کی تاسف بھری مری سی آواز نکلی۔ ''آپ کی آنے والی کتاب سے کوئی ٹوٹکا نکالیں اور اسے صاف کریں۔'' اس نے شرٹ ہاتھ میں لے کر سرخ داغ دیکھا۔

''کون سی شرٹ تمہیں پسند ہے۔'' زید نے اس کے ہاتھ سے شرٹ لے لی۔ ''جیسی بات کر کے ان چھوٹی موٹی بے جان چیزوں کو اہمیت دینے کے بجائے، وہ کہو جس کے بعد میرے دل کے داغ دور ہو جائیں۔''

''آپ کے دل پر کون سے داغ ہیں؟''

''حسرتوں کے داغ!'' اس نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

''کہنے کی کیا بات ہے، آپ کیا شاید سب ہی جانتے ہیں۔''

''مجھے تم سے سننا ہے۔'' وہ اور ایک قدم آگے آ کر بالکل پاس آیا۔

چند لمحے اسے دیکھنے کے بعد شادماں نے محض کہنے پر اکتفا نہیں کیا تھا۔ اگلے پل زید جیب سے فون نکال کر کسی کو کال کرنے لگا۔

''یہ کیا کر رہے ہیں؟''

''سمیہ کی دعوت کینسل کر رہا ہوں۔''

شادماں زور سے ہنس دی پھر اس کے ہاتھ سے فون لے لیا۔

''ہم دعوت میں جا رہے ہیں اور آپ بچ نہیں سکتے، آپ کے دل کا اگلا داغ اس وقت دور ہو گا جب شرٹ سے اسٹرابیری کا داغ نکلے گا۔'' اس کے انداز میں شاہانہ بے نیازی تھی۔

''یہ بات ہے، ابھی لو۔'' وہ پھرتی سے غسل خانے کی سمت دوڑا۔

''یہ اتنی آسانی سے نکلنے والا نہیں۔'' اس نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

زید نے کوئی جواب نہیں دیا اور شادماں مسکراتے ہوئے اپنے کپڑے نکالنے لگی۔

اسے علم نہیں تھا، واش بیسن کے نیچے والی کیبنٹ میں زید نے کون کون سے کیمیکل اور محلول جمع کر رکھے تھے۔ کچھ دیر بعد وہ فاتحانہ انداز میں شرٹ لہراتا باہر آیا۔

''لیں جی بے داغ شرٹ۔''

''کیسے؟'' وہ آنکھیں پھاڑ کر شرٹ اور اسے دیکھنے لگی۔

''بس تم نے جو لالچ دیا اس کا اثر ہے۔'' زید نے دائیں آنکھ دبا کر شرارت سے کہا۔

''مم..... مجھے دادو آواز دے رہی ہیں۔'' وہ دروازے کی طرف بڑھی اور زید اس کی طرف۔

☆☆